جامعہ مدنیہ جدید کا ترجمان

جولائی
2004ء

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

اللہ رے یہ وسعتِ آثارِ مدینہ
عالَم میں ہیں پھیلے ہوئے انوارِ مدینہ

نفیس

بیاد
عالمِ ربّانی محدثِ کبیر حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ مدنیہ جدید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماهنامه

انوارِ مدینہ

جلد : ۱۲ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ ۔ جولائی ۲۰۰۴ء شمارہ : ۷

مدیر اعلیٰ

سیّد محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۳ روپے.........سالانہ ۱۵۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی....سالانہ ۵۰ ریال

بھارت، بنگلہ دیش.........سالانہ ۶ امریکی ڈالر

امریکہ، افریقہ.........سالانہ ۱۶ ڈالر

برطانیہ.........سالانہ ۲۰ ڈالر

جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس

E-mail: jmj786_56@hotmail.com

ترسیل زر و رابطہ کے لیے

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

فون نمبرات

جامعہ مدنیہ جدید :	092 - 42 - 5330311
خانقاہ حامدیہ :	092 - 42 - 5330310
فون/فیکس :	092 - 42 - 7703662
رہائش "بیت الحمد" :	092 - 42 - 7726702
موبائل :	092- 333 - 4249301

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع وناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۵
زیرِ تعمیر عمارت کا نقشہ		۱۱
موت العالم موت العالَم		۱۲
شمائلِ رسول ﷺ	مولانا محمد سلمان صاحب منصور پوری	۱۴
حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۲۸
دعاء کی افادیت و اہمیت	حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ	۴۱
ایصالِ ثواب	حافظ مجیب الرحمٰن صاحب اکبریؔ	۴۷
فریضہ حج کو آسان اور سستا کرنیکی ضرورت - جناب خلیل الرحمٰن صاحب		۵۸
دینی مسائل		۶۱
مسجد حامد کے لیے خصوصی اپیل		۶۴

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جارہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اور اس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرمادیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے۔ (اداریہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد !

آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ نے قربِ قیامت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں اُن میں سے ایک نشانی یہ ارشاد فرمائی کہ قبیلے کا سردار اُن میں سے فاسق ہوا کرے گا اور دوسری نشانی یہ ارشاد فرمائی کہ قوم کا رئیس حسب ونسب، مال وجاہ کے اعتبار سے سب سے کمتر ہوا کرے گا اور تیسری نشانی یہ ارشاد فرمائی کہ آدمی کا اکرام اُس کے شر اور فتنے سے بچنے کی خاطر کیا جایا کرے گا۔ مذکورہ تین نشانیاں خاص ہمارے ملک کے برسرِ اقتدار طبقہ میں خوب نمایاں ہو کر پائی جارہی ہیں بلکہ فی الوقت پورے عالمِ اسلام کا برسرِ اقتدار طبقہ اسی قسم کی گھٹیا خصلتوں کا حامل ہے اور اُن کے عوام کی اکثریت بے حس اور بے شعور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برسرِ اقتدار طبقہ اقتدار میں ہونے کے باوجود بے اطمینانی اور بے وقاری میں مبتلا ہے اور عوام اپنی جگہ اقتصادی اور معاشی بدحالی کے ساتھ ساتھ نوع بنوع زمینی اور سماوی مصائب وآلام کا شکار ہیں اس پر مزید طغرائے ندامت یہ کہ مسلمان بحیثیت مجموعی کفار کی نظر میں بالکل بے قیمت ہو کر رہ گئے ہیں۔ مصائب وآفات، ذلت وخواری کا یہ عالمی سیلاب مسلمانوں کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے جس کا اصل سبب خود مسلمانوں کی اپنے دین ومذہب سے بیگانگی ہے۔

عالمِ اسلام کا برسرِ اقتدار طبقہ ہو یا عوام کا طبقہ ہر کسی کو اگر سکون واطمینان عزت ووقار مقصود ہے تو اُسے واپس اپنے دین کی طرف آنا پڑے گا۔ خدائی نصرت جس سے ہم محروم ہو چکے ہیں وہ پھر سے اُسی صورت میں ہماری طرف متوجہ

ہوگی کہ جب ہم اپنی بداعمالیوں پر سچ مچ نادِم وشرمسار ہوکر بارگاہِ رب العزت کی طرف لوٹیں گے۔ اللہ رب العزت کی ذات ہر کسی سے بے نیاز ہے ہر کوئی اُس کا محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ ہماری ذلت ورُسوائی سے اُس کی بڑائی میں رتی بھر فرق نہیں پڑتا۔ چھنی ہوئی عزت اگر مطلوب ہے تو بادشاہ اور گدا سب کو اُسی کے دَر پر ماتھا ٹیکنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ عالمِ اسلام کو اپنی ذات کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور عالمی سطح پر ذلت ورُسوائی کی شکار اُمتِ مسلمہ کی دستگیری فرمائے۔ آمین۔

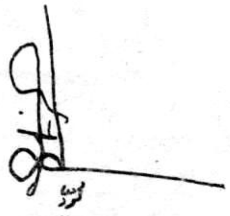

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی اُمور

(۱) مسجد حامد کی تکمیل

(۲) طلباء کے لیے دارالاقامہ (ہوسٹل) اور درسگاہیں

(۳) کتب خانہ اور کتابیں

(۴) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اجر ہے (ادارہ)

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درس حدیث

حضرت اقدس پیرو مرشد مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اِس فیض کو تاقیامت جاری و مقبول فرمائے۔ (آمین)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کی قوم کی فضیلت
امام ابوحنیفہؒ کی فضیلت، مکران اٹھارہ ہجری میں فتح ہوگیا تھا
اہلِ تشیّع کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے
حکمرانوں کی چاپلوسی کرنے والے علماء سے حدیث نہ لی جائے

تخریج وتزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب

کیسٹ نمبر ۴۴ سائیڈ اے / ۸۵-۲-۱۵

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقه سیّدنا ومولانا محمد وآلہٖ واصحابه اجمعین امابعد!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے [۱] **اذ نزلت سورۃ الجمعة** کہ سورہ جمعہ اُتری۔ سورہ جمعہ میں یہ آیت ہے **وآخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم** اور لوگ بھی آنے والے ہیں اِن میں ہی سے جو ابھی تک نہیں ملے یا پیدا ہی نہیں ہوئے۔ تو صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یہ جو فضیلت ہے یہ کن لوگوں کے لیے ہے **من ھٰؤلاء یا رسول اللّٰہ قال وفینا سلمان الفارسیؓ** اُس وقت ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ رہنے والے فارس کے ہیں بخاری شریف میں آتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں ''رَامَہُرمُز'' سے ہوں [۲] ''رَامَہُرمُز'' مقام کا نام بھی کہا گیا ہے رہنے والی جگہ کا نام یا ان کے خاندان اور قبیلے کا نام۔

---

[۱] بخاری شریف ج ۲ ص ۷۲۷ [۲] بخاری شریف ج ۱ ص ۵۶۲

حق کی جستجو :

تو یہ حضرت سلمان فارسیؓ اپنے علاقے سے چلے تھے صحیح دین کی تلاش میں اور انھوں نے مذہبی کتابیں بھی حاصل کیں پڑھیں ایک یہودی کے پاس رہے اُس سے علم حاصل کیا۔ایک عیسائی کے پاس رہے اُس سے علم حاصل کیا اور پھر اس نتیجہ پر پہنچے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ظاہر ہونے والے ہیں، تو اُن کی تلاش میں اُن کے پاس جانے کے لیے مجھے جانا چاہیے کوشش کرنی چاہیے۔

زبردستی کی غلامی :

تو اس طرف آرہے تھے کہ اِنھیں اغوا کرلیا گرفتار کرلیا، گرفتار کر کے غلام بنالیا کسی قبیلے نے، پھر اِن کو بیچ دیا اب یہ غلام ہوگئے، کہاں تو یہ آرہے تھے سچے دین کی طلب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طلب میں اور کہاں یہ شکل پیدا ہوگئی کہ انھیں اغوا کرلیا۔اغوا کر کے لے جا کر غلام بنا کر بیچ دیا، اب یہ غلام بن گئے تو جب جناب رسول اللہ ﷺ سے ان کی ملاقات ہوئی ہے مدینہ طیبہ میں تو اُس وقت تک دس سے بھی زیادہ اِن کے آقا گزر چکے تھے، ایک نے دوسرے کے ہاتھ دوسرے نے تیسرے کے ہاتھ تیسرے نے چوتھے کے ہاتھ اس طرح بکتے بکتے اتنا نمبر آچکا تھا۔

معجزہ اور آزادی :

اور انہی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہی کا باغ تھا جس میں جناب رسول اللہ ﷺ نے کھجوریں بوئیں اور اُن پر پھل آگیا اُسی سال اور یہ آزاد ہوگئے۔

ڈھائی سو برس کی عمر پائی :

عمر مبارک اِن کی بہت بڑی تھی کم از کم ڈھائی سو سال تھی ورنہ اس سے زیادہ ہی زیادہ شمار کی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ جس کو عطا فرمادیں عمر اور صحت یہ اس کی دَین ہے اُس کی عطا ہے، تو یہ مسلمان ہوگئے اور رہے ہیں بہت بعد تک خلفاء کرام کے دور میں بھی رہے ہیں پھر وفات پائی تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اُس وقت ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ اور اُن کی قوم کی فضیلت :

تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اِن کے اُوپر رکھا اور فرمایا لو کان الایمان عندالثریا لنالہ رجال من ھؤلاء اگر ایمان اتنی دور ہو جتنی دُور ثریا ستارہ ہے، ثریا کو پروین بھی کہتے ہیں ایران میں فارسی زبان میں، تو جتنی دور

وہ ستارہ ہے تو بھی اِن میں سے ایسے لوگ ہیں کہ جو اُس کو پالیں گے حاصل کرلیں گے تو یہ انتہائی پرواز ہوئی گویا ایک طرح سے اور یہ پرواز جو ہوتی ہے یہ سمجھداری اور فقاہت کہلاتی ہے ذہنی پرواز کہلاتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی فضیلت :

بلکہ یہ بھی کہتے ہیں اس حدیث کے بارے میں کہ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ خبر دے رہے ہیں اور یہ مشابہت بنتی ہے ان سے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی فارسی تھے۔ اُن کے دادا یہاں کابل سے چلے گئے اور پھر اُدھر رہنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب وہاں تشریف لائے ہیں تو اِن کے دادا پیدا ہوئے یا والد پیدا ہوئے اُن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا انھوں نے دُعا بھی دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ان دُعاؤں کا اثر ہے اور اس حدیث میں بھی ذکر آچکا ہے تو فقاہت جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ہے وہ سب سے بلند ہے۔

سب فقہاء امام اعظمؒ کی رُوحانی اولاد ہیں :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہاء جو ہیں سب کے سب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں یعنی فقاہت سمجھداری دین کی، اجتہاد، طرزِ استدلال یہ اس کے سیکھنے میں سمجھانے میں مَشق کرانے میں وہ سب سے پہلے ہیں اور بعد میں باقی سب، تو سب کے سب گویا اُن کی فکری اولاد ہوگئیں اور انھوں نے علم کس سے لیا ہے؟ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے، شعبی سے۔ ابراہیم نخعی چھوٹی عمر کے تھے شعبی بڑی عمر کے تھے، اور بڑی عمر کے بھی تھے اور زیادہ دیر تک زندہ بھی رہے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ جوانی کے آخری حصہ میں وفات پاگئے یعنی اَدھیڑ عمر میں ان کی وفات ہوگئی بڑھاپے کو نہیں پہنچ سکے شعبی رحمۃ اللہ علیہ بہت حیات رہے تو اُن سے بھی سیکھی ہیں حدیثیں اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سیکھی ہیں حدیثیں۔ ان حضرات نے علقمہؒ اور اسودؒ سے اور انھوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیکھا ہے تو علم کے لیے سفر کرکے جانا حج کے موقع پر اور وہاں رہنا، سیکھنا روایات کا، اور پوچھ گچھ کرنی معلومات کرنی اشکالات رفع کرنا یہ کام ہوتا رہا۔

کوفہ.... علمی مرکز :

تو کوفہ میں بہت بڑا علمی مرکز بن گیا ان حضرات کی وجہ سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ میں آئے ہیں تو **سُرّ من کثرت فقھائھا** وہاں فقہاء کی کثرت سے بہت خوش ہوئے ہیں اس میں آتا تھا کہ بہت بڑی تعداد تھی ایسی کہ جو سیکھ رہے تھے اور **اربع مائۃ قد فقھوا** چار سو ایسے تھے جو درجہ فقاہت کو پہنچ گئے تھے۔

ابن مسعودؓ اور قرآن :

اور عبداللہ بن مسعودؓ وہ ہیں کہ جن کے بارے میں آتا ہے کہ میں اپنی اُمت کے لیے اس چیز پر راضی ہوں جس پر ابن مسعودؓ راضی ہوں اور فرمایا کہ جو قرآن پاک تروتازہ جیسے کہ اُترا ہے ویسے پڑھنا چاہے تو چاہیے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت پر پڑھے تو آقائے نامدار ﷺ کی بہت تعریفیں ہیں ان کے بارے میں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اِن سے بڑا تعلق تھا پاس رکھنا چاہتے تھے، فقاہت میں درجہ اتنا بڑا ہے کہ چاروں خلفاء کے بعد کتابوں میں اِن کا نام لکھا جاتا ہے تو علمی اعتبار سے اتنا بلند پایہ ہے اِن کا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ آباد کیا تو جتنے مجاہدین تھے یہاں عراق کی سائیڈ میں یہ آذربائیجان کا علاقہ، خراسان کا علاقہ، ایران کا، افغانستان کا، پھر نیچے سندھ کا حصہ، مکران کا کچھ حصہ جو کہ بلوچستان میں ہے۔

مکران ۱۸ھ میں فتح ہوگیا تھا :

اور یہ مکران ۱۸ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح ہوگیا تھا تو اِن علاقوں میں جو حضرات تھے عرب اور صحابہ کرام اُن کو آپ نے تحریر فرمایا کہ ایسی جگہ جہاں کی آب وہوا یہاں (عرب) کی آب وہوا سے ملتی جلتی ہو وہ انتخاب کرو اور اُس کو تم مرکز بنالو، تو کوفہ کو پسند کیا گیا اور کوفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے الاٹمنٹ کردی زمینوں کی کیونکہ جو زمین کسی کی ملک نہیں اس کی اصل مالک حکومت ہوتی ہے۔ اس کو حکومت نے اِن حضرات کو دے دیا تو انھوں نے یہاں اپنے مکانات وغیرہ بنالیے رہائش اختیار کرلی تو یہ پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرام کی تعداد شمار کی گئی تو یہ بہت بڑا علاقہ تھا جسے یہ کنٹرول کرتے تھے، تو بصرہ اور کوفہ یہ اُن کے گویا فوجی ہیڈکوارٹر تھے ایک طرح کے، تو اس میں وہ رہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آئے ہیں مدینہ منورہ سے تو اُن کے ساتھ جو صحابہ کرامؓ آئے ہیں وہ بھی یہاں رہے اس طرح ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے پندرہ سو (۱۵۰۰) ہوگئی۔ اب یہاں کی معلومات جو ہیں کوفہ کی وہ بہت زیادہ ہیں امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں فلاں جگہ اتنی دفعہ گیا فلاں جگہ اتنی دفعہ گیا۔

امام بخاریؒ اور کوفہ :

کوفہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ **لا احصی مادخلت الکوفة** میں شمار نہیں کرسکتا جتنی دفعہ میں کوفہ گیا ہوں۔

قراءة سبعہ، عشرة اور کوفہ :

اور قراءت سبعہ میں سے تین قاری جو ہیں فقط کوفہ کے ہیں اور قراءت عشرة جو ہیں اُن میں سے چار قاری فقط

کوفہ کے ہیں باقی ساری دنیا میں سے، اور دوسرا شہر کوئی نہیں ہے جہاں اتنی بڑی تعداد صحابہ کرام کی رہی ہو جتنی بڑی تعداد کوفہ میں رہی ہے تو اس بناء پر کوفہ بہت بڑا علمی مرکز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور کوفہ :

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہاں پیدا ہوئے انھوں نے صحیح علم حاصل کیا شیعوں سے بچ کر اور باطل فرقوں سے بچ کر صحیح چیز حاصل کی اور صحیح پر جمے رہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی نصیحت .....اہلِ تشیع سے بچو :

بلکہ آتا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے حضرات میں سے ہیں بہت بڑے مجاہد تھے وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بھی تھے وہ کہتے ہیں میرے سامنے ابوعصمہؒ نے پوچھا **ممن تأمرنی ان اسمع الآثار** کس سے میں حدیثیں سنو تو انھوں نے جواب دیا **من کل عدل ...... الا الشیعة** ہر عادل آدمی سے سن سکتے ہو اگر بدعتی بھی ہے مگر معتدل ہے وہ، تو اس سے حدیث لے سکتے ہو سوائے شیعہ کے۔ **فان اصل عقید تهم تضلیل اصحاب محمد** ﷺ ان کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کو گمراہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

چاپلوسی کرنے والے علماء سے بھی حدیث نہ لی جائے :

ومن اتی السلطان طائعاً جو بادشاہ کے پاس جائے اطاعت (اور چاپلوسی) کرتا ہو، اطاعت کے انداز میں جائے جھک کر جائے اس سے بھی مت لینا حدیث اور ارشاد فرمایا **اَما انی لا اقول انهم یکذبون** میں یہ نہیں کہتا کہ یہ جا کر جھوٹ بولتے ہیں بادشاہ سے **اویامرونهم بما لا ینبغی** یا انھیں ایسی باتوں کا حکم دیتے ہیں جو نہ ہونی چاہیں نامناسب باتوں کا مشورہ دیتے ہیں یہ بھی میں نہیں کہتا لیکن خرابی یہ ہے **وطّؤا لهم** ان (بادشاہوں) کے واسطے ان لوگوں نے زمین ہموار کردی **حتی انقادتِ العامة بهم** حتی کہ عام لوگ جو تھے وہ سمجھنے لگے کہ جو بادشاہ کہتا ہے وہ ٹھیک ہے۔ صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ، باطل اور حق کی تمیز گویا آپ لوگ نہیں کر سکتے۔ دیکھتے ہیں بڑا آدمی جا رہا ہے دیندار آدمی جا رہا ہے اور اس میں یہ خوبی ہے اس لیے یہ ضرور دین ہی کی بات کرتا ہوگا ضرور سچا ہوگا فرمایا **فهذان لا ینبغی ان یکونا من ائمة المسلمین** یہ دو طبقے ایسے ہیں کہ جنہیں حدیث کے، اسلام کے، مسلمانوں کے ائمہ میں شمار نہیں کرنا چاہے ان سے حدیث نہ لیں۔ اب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں اجتہاد، فقاہت، سمجھ کی گہرائی یہ خدا کی دَین ہے اور ان کی بات سب کو ماننی پڑتی ہے۔

امام اعظمؒ کے بارے میں امام رازیؒ کی رائے :

یہ جو ہیں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہیں تو شافعی لیکن امام صاحب کے بڑے مداح ہیں اور بڑی تعریف کرتے تھے۔ فقاہت جہاں آئی ہے معقولات سے جہاں بحث ہوئی ہے تو ایسے مقامات پر اُن کو بڑا لطف آیا تو انھوں بہت واقعات لکھے ہیں امام اعظمؒ کے۔ ایک قصہ لکھا ہے ایک آدمی نے قسم کھالی کہ میں تجھ سے بولوں بولنے میں پہل کروں تو میرا غلام آزاد، بیوی نے بھی قسم کھالی جواب میں، تو یہ مسئلہ پیش ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نوٹ : افسوس کہ اس سے آگے درس کیسٹ میں ٹیپ نہیں ہو سکا۔

☆☆☆☆☆

نفیس بک بائنڈرز

ہمارے یہاں ''ڈائی دار اور لیمینیشن والی جلد'' بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی ''بکس والی جلد'' بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں رَوٹا مشین پر ''کلر پرنٹنگ'' (ٹائٹل وغیرہ کی چھپائی) کا کام بھی دیدہ زیب اور بازار سے رعایتی نرخ پر کیا جاتا ہے۔

مناسب نرخ پر معیاری جلد سازی اور طباعت کے لیے رجوع فرمائیں

6/ 16 ٹیپ روڈ نزد مین گیٹ گھوڑا ہسپتال لاہور

پروپرائیٹر : محمد سلیم و محمد ندیم

موبائل نمبر : 0300-4293479 , 0300-9464017

فون نمبر : 042-7322408

جامعہ مدنیہ جدید کی زیرِ تعمیر عمارت کا نقشہ جس کا سنگِ بنیاد اکتوبر میں رکھا گیا تھا

حضرت محمد ﷺ یا اپنے والدین، عزیز واقارب اور بزرگانِ دین

کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے کم از کم ایک کمرہ تعمیر کرائیں

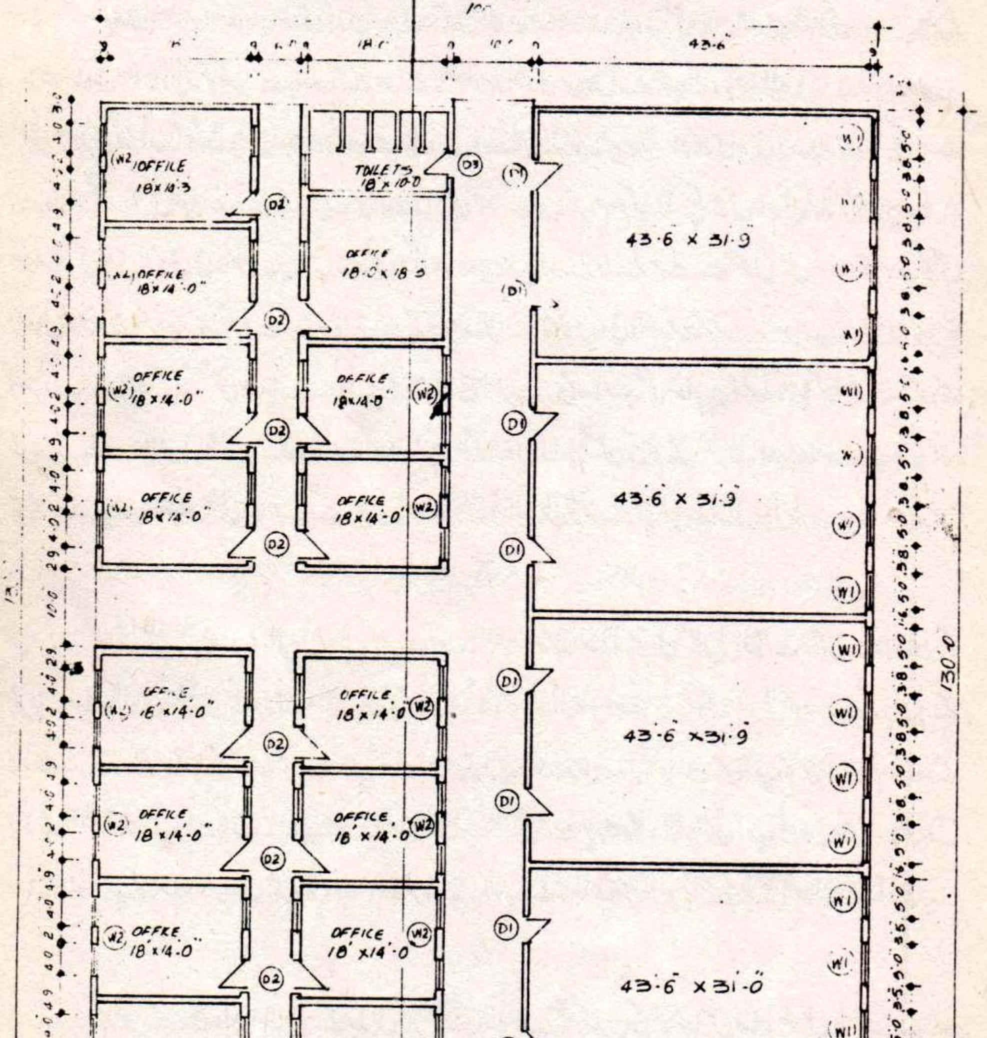

بڑے کمروں کی تعمیر پر آنے والے اخراجات = دس لاکھ پچاس ہزار روپے فی کمرہ

چھوٹے کمروں کی تعمیر پر آنے والے اخراجات = ایک لاکھ پچھتر ہزار روپے فی کمرہ

وفیات

موت العالم موت العالَم

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی رحمۃ اللہ علیہ کو گزشتہ ماہ کی ۳۰ تاریخ کو گھر سے جامعہ آتے ہوئے نامعلوم دہشت گردوں نے شہید کردیا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. مفتی شامزی صاحبؒ بہت جامع صفات شخصیت تھے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ بہت سی دینی ذمہ داریاں آپکی ذات سے وابستہ تھیں آپکی شہادت سے ملک ایک بہت بڑی دینی شخصیت سے محروم ہوگیا۔ آپکے قاتل تاحال گرفتار نہیں ہوسکے جو حکومت کی بڑی ناکامی کی دلیل ہے، اس سے قبل دیگر علماء دیوبند پر ہونے والے بہت سے حملوں میں ملوث مجرموں کو بھی تاحال گرفتار نہیں کیا جاسکا۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ علماء حق کے قاتلوں کو فی الفور گرفتار کرے بصورت دیگر اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے مستعفی ہوجائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی شہادت کو قبول فرما کر آخرت کے بلند ترین درجات عطا فرمائے اُن کے پسماندگان اور دیگر سوگواروں کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔ جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے لیے دعاءِ مغفرت اور ایصالِ ثواب کرایا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

☆

عالمی مبلغِ ختم نبوت ممتاز عالمِ دین حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹیؒ طویل علالت کے بعد ۲۷ رجون کو شریف میڈیکل سٹی کمپلیکس لاہور میں انتقال فرماگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون .مولانا طویل عرصہ سے گردوں کے عارضہ میں مبتلا تھے مولانا کی تمام زندگی ناموسِ ختم نبوت کے لیے وقف رہی۔ اس میدان میں آپ کا ممتاز مقام سب کے نزدیک مسلم تھا۔ آپ کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا بہت مشکل سے پورا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آپ کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔ آمین۔

☆

تاخیر سے ملنے والی اطلاع کے مطابق محترم شفیق صاحب مقیم لندن کی خوشدامن صاحبہ طویل علالت کے بعد ۲۵ راپریل کو انتقال فرماگئیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی وفات پر اہلِ ادارہ محترم شفیق صاحب اور ان کے اہلِ خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

☆

جامعہ مدنیہ جدید کے جواں سال طالب علم محمد عفان گزشتہ ماہ کی چھ تاریخ کو ایف سی کالج کے پل کے قریب نہر میں ڈوب گئے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ۔مرحوم درجہ ثانیہ کے طالب علم تھے اہل جامعہ جواں سال بیٹے کی موت پر اس کے والدین کے غم میں برابر کے شریک ہیں ۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اس کے والدین کو اس صدمہ کو سہارنے کی ہمت عطا فرمائے۔آمین۔

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں جملہ مرحومین کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرایا گیا۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین۔

☆☆☆☆☆

بقیہ : ایصالِ ثواب

نیز کہتے ہیں :

''(اگر ایصالِ ثواب ہونے لگتا تو) صاحب اثر و مال کے لیے تو پیسہ لیکن قرآن خوانی کرنے والے پیشہ و مولوی اور اُن کی جماعتیں سینکڑوں قرآن ختم کر دیتیں روپے کے عوض مولوی صاحب سے پڑھے بے پڑھے قرآنوں کا ثواب حسبِ خواہش تعداد میں خرید لیا جاتا اور مردے کو ایصال کر دیا جاتا الخ'' (اسلام یا مسلک پرستی ص ۶۲)۔

جناب ! علماء حق واضح تحریر فرماتے ہیں کہ جو قرآن مجید پیسے لے کر پڑھا اور ایصال ثواب کیا جائے اس کی تلاوت کا ثواب خود پڑھنے والے کو بھی نہیں ملتا تو وہ کسی میت کو کیسے ایصالِ ثواب کر سکتا ہے (ملاحظہ ہو رُوح المعانی ص ۶۷ ج ۲۷۔ ردالمحتار ص ۴۷ ج ۱۔ تفسیر معارف القرآن ص ۲۰۸ ج ۱ بحوالہ ردالمختار و شفاء العلیل و تاج الشریعہ و عینی شرح ہدایہ و حاشیہ خیر الدین رملیؒ بر بحر الرائق)۔

جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس

jmj786_56@hotmail.com

شمائلِ رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ کے سراپائے اقدس سے متعلق ۴۰ منتخب احادیث

جمع وترتیب : مولانا محمد سلمان صاحب منصور پوری

اُردو ترجمہ : مولانا محمد عفان صاحب منصور پوری

حضورِ اقدس ﷺ کے حُسنِ انور کا بیان :

(۱) عن البراء بن عازبؓ یقول : "کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احسن الناس وجھاً واحسنھم خلقاً لیس بالطویل البائن ولا بالقصیر". (صحیح بخاری، حدیث ۳۵۴۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین چہرے والے تھے۔ نہ آپ ﷺ بہت لمبے تھے اور نہ پستہ قد (بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا)۔

(۲) عن ابی عبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسرؓ قال للربیع بنت معوذ رضی اللّٰہ عنھا : صفی لی رسول اللّٰہ ﷺ قالت : "یا نبی لو رأیتہ رأیت الشمس طالعة". (شمائل الرسول للحافظ ابن کثیر، ۱۸)

حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ میرے سامنے جناب رسول اللہ ﷺ کے حسن کو بیان فرمائیں۔ حضرت ربیعؓ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! اگر تم اُن کو دیکھتے ایسا محسوس کرتے کہ آفتاب اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

(۳) عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ یقول : "مارایت شیئاً احسن من رسول اللّٰہ ﷺ کان الشمس تجری فی وجھه". (شمائل ترمذی، ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خوب صورت کسی بھی چیز کو نہیں دیکھا گویا کہ آفتاب آپ ہی کے چہرۂ مبارک میں چمک رہا ہے۔

(۴) عن جابر بن سمرة رضی اللّٰہ عنہ قال : " رأیت رسول اللّٰہ ﷺ فی لیلة اضحیان وعلیہ حلة حمراء فجعلت انظر الیہ والی القمر فلھو عندی احسن من القمر" . (شمائل ترمذی ، ص ۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضورِ اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا۔ حضور اقدس ﷺ اُس وقت سرخ جوڑا زیب تن فرماتے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین وجمیل ہیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کا چہرۂ انور کیسا تھا؟

(۵) سئل البراء بن عازب رضی اللّٰہ عنہ اکان وجہ النبی ﷺ مثل السیف؟ قال : " لا ! بل مثل القمر". (بخاری شریف ، ۳۵۵۲)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا حضور اکرم ﷺ کا چہرۂ مبارک تلوار کی طرح سیدھا تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح (روشن گولائی لیے ہوئے) تھا۔

(٦) وفی حدیث الحسن بن علیؓ عن خالہ ھند بن ابی حالةؓ قال :" کان رسول اللّٰہ ﷺ فخماً مفخّماً وجھہ تلأ لُوَالقمر لیلة البدر". (شمائل ترمذی ،ص ۲)

حضرت حسن بن علیؓ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ خود اپنی ذات والاصفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظر میں بھی بڑے رُتبے والے تھے۔ آپ کا چہرۂ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

خوشی اور فرحت کے موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ پُر نور کی تابانی :

(۷) عن کعب بن مالک رضی اللّٰہ عنہ فی حدیث التوبة قال : "وکان رسول اللّٰہ ﷺ اذا سر استنار وجھہ حتی کأنہ قطعة قمر وکنا نعرف ذٰلک منہ ".

(بخاری شریف ، حدیث نمبر ۳۵۵٦)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث توبہ میں بیان فرماتے ہیں کہ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک اتنا منور ہوجاتا تھا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم

اس چمک سے آپ کی خوشی کو بھانپ لیا کرتے تھے۔

(۸) عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا أن رسول اللّٰہ ﷺ دخل علیھا مسروراً تبرق أساریر وجھه". (بخاری شریف، حدیث نمبر ۳۵۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس خوشی ومسرت کے ساتھ تشریف لائے دراں حالیکہ آپ کے چہرۂ انور کی رگ رگ چمک رہی تھی۔

(۹) وفی حدیث ابی ہریرۃؓ عن صفة النبی ﷺ قال : واذا ضحک کاد یتلألأ فی الجدر لم أر قبله ولا بعده مثله". (شمائل الرسول للحافظؒ ابن کثیر، ۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا حلیہ نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ جب آپ ہنستے تو (دندانِ مبارک کی روشنی سے) درودیوار چمک اُٹھتے۔ میں نے آپ جیسا نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔

ونقل الامام السیوطیؒ فی "الخصائص الکبری" عن ابن عساکر: عن عائشةؓ قالت : کنت اخیط فی السحر فسقطت منی الابرۃ فطلبتھا فلم اقدر علیھا فدخل رسول اللّٰہ ﷺ فتبینت الابرۃ بشعاع نور وجھه فاخبرته فقال : یا حمیراء: الویل ثم الویل ثلاثاً لمن حرم النظر الی وجھی. (الخصائص الکبری ۶۳/۱)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خصائص کبری میں ابن عساکر کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ "میں صبح سویرے کچھ سی رہی تھی کہ سوئی میرے ہاتھ سے گر گئی میں نے تلاش کیا لیکن سوئی نہ ملی، اِسی دوران جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو آپ کے چہرۂ مبارک کے نور کی شعاعوں کی وجہ سے وہ سوئی مل گئی" میں نے حضور ﷺ کو بتلایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اے حمیراء! افسوس صد افسوس اس شخص پر جو میری زیارت سے محروم رہے"۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشانی، اَبرو، ناک اور رُخسار مبارک کا بیان :

(۱۰) عن الحسن بن علی رضی اللّٰہ عنھما عن خاله قال : " کان رسول اللّٰہ ﷺ واسع الجبین ، ازج الحواجب وسوابغ فی غیرقرن، بینھما عرق یدرہ الغضب ، اقنی العرنین له نور یعلوہ ، یحسبه من لم یتأمله اشم ، سھل الخدین ،

ضليع الفم ، اشنب مفلج الاسنان ". (دلائل النبوة للبيهقي ١/٢١٤)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے ماموں سے نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک نہایت کشادہ، اُبرو خم دار باریک اور گنجان تھے۔ دونوں اُبرو جدا جدا تھے۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھرتی جاتی تھی۔ آپ کی ناک مبارک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا۔ غور سے نہ دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا (لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں)۔ آپ کے رُخسار مبارک ہموار ہلکے تھے۔ آپ کا دہن مبارک قدرے کشادہ تھا۔ آپ کے دندان مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا۔

جناب رسول ﷺ کی آنکھ اور دہن مبارک کا بیان :

(١١) عن جابر بن سمرة رضى الله عنه قال : " كان رسول الله ﷺ ضليع الفم، اشكل العينين و منهوس العقبين ". (مسلم شريف ٥٩٥٦)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فراخ دہن تھے۔ آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اور ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا۔

وجاء فى مسند احمد : " اشهل العينين " قال ابوعبيدةؒ : الشكلة : كهيئة : الحمرة تكون فى بياض العين ، والشهلة : غير الشكلة وهى حمرة فى سواد العين. (دلائل النبوة للبيهقي ١/٢١٢)

اور مسند احمدؒ میں اشہل العینین کے الفاظ آئے ہیں۔ ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں کہ شکلۃ جوہیئۃ کے وزن پر ہے اسکے معنی ہیں آنکھوں کی سفیدی میں سرخی کا ہونا اور شہلۃ کے معنی ہیں آنکھوں کی سیاہی میں سرخی کا ہونا۔

وقال الحافظ ابن كثيرؒ : وقول ابى عبيدؒ حمرة فى بياض العين اشهر و اصح وذالك يدل على القوة والشجاعة ، والله تعالىٰ اعلم .(شمائل الرسول ٢٧)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوعبیدہؒ کا قول آنکھوں کی سفیدی میں سرخی کا ہونا زیادہ مشہور اور صحیح ہے جو بہادری اور شجاعت پر دال ہے۔ واللہ اعلم

جناب رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک کا بیان :

(۱۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : " کان رسول اللہ ﷺ افلج الثنیتین و کان اذا تکلم رؤی کالنورتین ثنایاہ ". (دلائل النبوۃ ۱/۲۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کے دانتوں کے درمیان ذرا سا فاصلہ تھا۔ آپ جب تکلم فرماتے تو سامنے کے دانتوں کے درمیان سے نور نکلتا ہوا محسوس ہوتا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی مبارک زُلفوں اور بالوں کا حُسن :

(۱۳) عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال : " مارأیت من ذی لمۃ فی حلۃ حمراء احسن من رسول اللہ ﷺ لہ شعر یضرب منکبیہ، بعید مابین المنکبین لم یکن بالقصیر ولا بالطویل " . (شمائل ترمذی ص ۱)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی زُلف والے کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ کے بال مونڈھوں تک آرہے تھے آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا اور آپ نہ زیادہ لمبے تھے نہ پستہ قد (بلکہ درمیانے قد کے تھے)۔

(۱۴) عن قتادۃؓ قال: قلت لأنسؓ کیف کان شعر رسول اللہ ﷺ قال: " لم یکن بالجعد ولا بالسبط یبلغ شعرہ شحمۃ اذنیہ ". (شمائل ترمذی ص ۳)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگھریالہ پن لیے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔

نقل الامام النوویؒ : وجہ اختلاف الروایات فی قدر شعرہ اختلاف الاوقات فاذا غفل عن تقصیرھا بلغت المنکب واذا قصرھا کانت الی انصاف الاذنین. (نووی. شرح مسلم)

حضرت امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آپ کے بالوں کی مقدار کے سلسلہ میں روایت کا

اختلاف مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہے۔ جب آپ کو بال کاٹنے کا موقع نہ ملتا تو وہ مونڈھوں تک پہنچ جاتے اور جب آپ بال تراش لیتے تو کانوں کے نصف حصہ تک رہ جاتے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کا بیان :

(۱۵) عن علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنہ قال :" کان رسول اللّٰہ ﷺ ضخم الرأس واللحیۃ". (دلائل النبوۃ ۱/۲۱٦)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے سر اور گھنی داڑھی والے تھے۔

(۱٦) عن محمد بن علی عن ابیہ قال : " کان رسول اللّٰہ ﷺ کث اللحیۃ " (دلائل النبوۃ ۱/۲۱٦)

حضرت محمد بن علی اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔

تنبیہ : اعفا اللحیۃ واجب عند جمیع الا ئمۃ وھو من سنن الأنبیاء والمرسلین. وأمربہ النبی ﷺ امتہ مؤکدا بقولہ " انھکو الشوارب واعفواللحی". (بخاری شریف ۵۸۹۳)

وحلق اللحیۃ او قصھا مادون القبضۃ لا یجوز لأحد، قال فقیہ عصرہ العلامۃ محمد بن عابدین الشامی ؒ فی رد المحتار : واما الأخذ منھا وھی مادون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد. (رد المحتار، ۳۹۸/۳)

تنبیہ : تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب ہے اور یہی تمام انبیاء اور رسولوں کی سنت ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اسی کا حکم فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: مونچھوں کو کاٹو اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ جبکہ داڑھی کو مونڈنا، ایک مشت سے کم کتروانا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

فقیہ العصر علامہ محمد عابدین شامی رحمہ اللہ نے ردالمحتار میں تحریر فرمایا ہے کہ داڑھی کو ایک مشت سے کم کتروانا جیسا کہ اہلِ مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں کسی نے بھی اِس کو مباح قرار نہیں دیا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک :

(۱۷) عن ابی الطفیل رضی اللہ عنہ رأیت رسول اللہ ﷺ وما علی وجہ الارض رجل رآہ غیری، قال (ای الراوی) فقلت: فکیف رأیتہ ؟ قال : کان ابیض ملیح الوجہ .(مسلم شریف ، کتاب الفضائل ۵۹۵۸)

حضرت ابوالطفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور اُس وقت روئے زمین پر میرے علاوہ آپ کی زیارت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس رنگ میں دیکھا۔ فرمایا کہ آپکا رنگ سفید گندم گوں تھا۔

(۱۸) عن نافع بن جبیر قال : وصف لنا علی رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ فقال: " کان ابیض مشرب الحمرۃ " (دلائل النبوۃ ۱/۲۰۶)

حضرت نافع بن جبیر فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا کہ آپ سرخی مائل سفید تھے۔

قال البیھقیؒ فی الدلائل : وروی ذٰلک ھکذا من اوجہ اخری عن علی رضی اللہ عنہ ویؤ یدہ ما روی عن ابی ھریرۃؓ فی حدیث طویل ، قال فیہ : اذا وضع رداء ہ علی منکبیہ فکانہ سبیکۃ فضۃ . (شمائل رسول ، ص ۳۱)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ یہی روایت دوسرے طرق سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ جب آپ اپنے مبارک مونڈھوں سے چادر ہٹاتے تو ایسا لگتا کہ صاف وشفاف چاندی کا ڈھلا ہوا ایک پیکر ہے۔

حضور اقدس ﷺ کی ہتھیلی اور خوشبو کا بیان :

(۱۹) عن ابی جحیفۃ رضی اللہ عنہ قال : " وقام الناس فجعلوا یاخذون یدیہ فیمسحون بھما وجوھھم قال فاخذت بیدہ فوضعتھا علی وجھی فاذا ھی ابرد من الثلج واطیب رائحۃ من المسک ". (بخاری شریف ۳۵۵۳)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کھڑے ہوئے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہروں پر پھیرنے لگے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی جناب رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اور اپنے چہرے پر رکھ لیا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

(۲۰) عن انسؓ قال: مامسست حريرا ولا ديباجا الين من كف النبى ﷺ ولاشممت ريحا قط او عرفاقط اطيب من ريح او عرف النبى ﷺ . (بخارى شريف ۳۵۶۱)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنی زندگی میں) جناب رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم کسی ریشم وغیرہ کے کپڑے کو نہیں چھوا (یعنی آپ سے زیادہ نرم تھی) اور نہ کبھی میں نے پیغمبر علی الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو سے اچھی کوئی خوشبو سونگھی۔

(۲۱) عن جابر بن سمرة رضى الله عنه قال: " صليت مع رسول الله ﷺ صلاة الاولى ثم خرج الى اهله وخرجت معه فاستقبله ولدان فجعل يمسح خدى احدهم واحداً واحدًا قال : واما انا فمسح خدى قال فوجدت ليده بردا او ريحا كانما اخرجها من جؤنة عطار". (مسلم شريف ۵۹۳۸)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز فجر حضور پاک ﷺ کے ساتھ پڑھی پھر حضور ﷺ اپنے گھر تشریف لے جانے لگے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلا۔ چند بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرا اور جب آپ نے میرے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ کی ہتھیلی کی ٹھنڈک اور خوشبو کو ایسا محسوس کیا گویا آپ نے اپنا ہاتھ ابھی عطر فروش کی ڈبیا سے نکالا ہے۔

(۲۲) عن انسؓ قال: كان رسول الله ﷺ اذا مرفى طريق من طرق المدينة وجدوا منه رائحة الطيب وقالوامر رسول الله ﷺ فى هذا الطريق".(شمائل الرسول ۴۶)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ کی گلیوں سے تشریف لے جاتے تو لوگ دیر تک خوشبو محسوس کرتے اور کہتے کہ یہاں سے جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے ہیں۔

قال القاضى عياض فى الشفاء : مسها بطيب اولم يمسها يصافح المصافح

فیظل یومه یجد ریحها ویضع یده علی رأس الصبی فیعرف من بین الصبیان. (شفاء مع الشرح ۱/۱۵۸)

قاضی عیاض رحمہ اللہ شفاء میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی حضور اقدس ﷺ سے مصافحہ کر لیتا تو دن بھر خوشبو محسوس کرتا، چاہے آپ نے خوشبو لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔ اسی طرح جب کسی بچہ پر ہاتھ پھیر دیتے تو وہ دیگر بچوں میں نمایاں معلوم ہوتا۔

حضور اقدس ﷺ کے پسینے کی خوشبو :

(۲۳) عن انس بن مالکؓ قال : دخل علینا النبی ﷺ فقال عندنا، فعرق، وجاء ت امی بقارورة فجعلت تسلت العرق فیها فاستیقظ النبی ﷺ فقال : یااُم سلیم ! ماھذا الذی تصنعین ؟ قالت : ھذا عرقک نجعله فی طیبنا وھو من اطیب الطیب. (مسلم شریف ۵۹۴۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ جب آپ کو پسینہ آیا تو میری والدہ ایک شیشی لے کر آئیں اور آپ کے پسینے کو جمع کر کے اس میں ڈالنے لگیں۔ حضور اکرم ﷺ بیدار ہو گئے اور فرمایا اے اُم سلیم! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ حضرت اُم سلیم نے فرمایا یا رسول اللہ یہ آپ کا پسینہ ہے اس کو ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے تو وہ سب سے عمدہ خوشبو بن جائے گی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک میں مہر نبوت کا بیان :

(۲۴) عن جابر بن سمرة رضی اللّٰه عنه قال : "رأیت خاتما فی ظهر رسول اللّٰه ﷺ کانه بیضة حمام. (مسلم شریف ۵۹۷۰)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبوتر کے انڈے کے مانند پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیٹھ میں ایک مہر دیکھی ہے۔

(۲۵) عن الجعید قال: سمعت السائب بن یزید رضی اللّٰه عنه قال: "ذهبت بی خالتی الی رسول اللّٰه ﷺ فقالت: یا رسول اللّٰه ان ابن اختی وجع ، فمسح رأسی ودعالی بالبرکة وتوضأ فشربت من وضو ، ثم قمت خلف ظهره فنظرت

الی خاتم بین کفیه . (مسلم شریف ۲/۵۹۷ . بخاری شریف ۱/۳۵۴)

حضرت جعیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سائب بن یزیدؓ سے سنا انھوں نے فرمایا کہ میری خالہ مجھے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہ میرا بھانجا بیمار ہے، یہ سن کر پیغمبر علیہ السلام نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی اور وضو فرمایا میں نے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیا اس کے بعد میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو میں نے آپ کے مونڈھے کے درمیان ایک مہر دیکھی جو مسہری کی گھنڈی کی طرح تھی۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے چلنے کی کیفیت :

(۲۶) عن علی رضی اللّٰہ عنه قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ " اذا مشی تکفا کانما ینحط من صبب ". (شمائل ترمذی ص ۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ذرا جھک کر متواضعانہ انداز میں چلتے گویا آپ بلندی سے نیچے اُتر رہے ہیں۔

(۲۷) وجاء فی روایة ابی هریرة رضی اللّٰہ عنه : وما رأیت احدا اسرع فی مشیه من رسول اللّٰہ ﷺ کانما الارض تطوی له انا لنجهد انفسنا وانه لغیر مکترثٍ (ای غیر مبال). (شمائل ترمذی ص۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پاک ﷺ سے زیادہ تیز چلتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا گویا کہ زمین کو آپ کے لیے لپیٹ دیا جاتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے دیتے ہیں اور آپ کوئی پروا نہیں کرتے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا لباس مبارک :

(۲۸) عن اُم سلمة رضی اللّٰہ عنها قالت: کان احب الثیاب الی رسول اللّٰہ ﷺ القمیص . (شمائل ترمذی ص ۵)

حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا محبوب ترین لباس قمیص تھی۔

(۲۹) عن سمرة بن جندب رضی اللّٰہ عنه قال : قال رسول اللّٰہ ﷺ البسوا البیاض فانها اطهر واطیب وکفنوا فیها موتاکم . (شمائل ترمذی ص ۵)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ پیغمبر مصطفی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ زیادہ پاکیزہ ہوتے ہیں اور سفید ہی کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن بھی دیا کرو۔

(۳۰) عن ابی جحیفۃؓ قال : رأیت النبی ﷺ وعلیہ حلۃ حمراء کانی انظر الی بریق ساقیہ قال سفیان اراھا حبرۃ (ای فیہ خطوط حمراء) (شمائل ترمذی ص ۵)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو سرخ کپڑا زیب تن کیے ہوئے دیکھا، ایسا محسوس ہوتا تھا گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں۔ سفیان (راوی) کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ حبری کپڑا تھا جس میں سرخ دھاریاں ہوتی ہیں)۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی لنگی کہاں تک رہتی تھی :

(۳۱) عن الاشعث بن سلیم قال: سمعت عمتی تحدث عن عمھاؓ قال : بینما انا امشی بالمدینۃ اذا انسان خلفی یقول : ارفع ازارک فانہ اتقی و ابقی، فالتفت فاذا ھو رسول اللہ ﷺ فقلت یا رسول اللہ انما ھی بردۃ ملحاء قال: "امالک فیّ اسوۃ ؟ " فنظرت فاذا ازارہ الی نصف ساقیہ. (شمائل ترمذی ص۸)

حضرت اشعث بن سلیم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی سے سنا جو اپنے چچا رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کررہی تھیں۔ ان کے چچا فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مدینہ میں جارہا تھا۔ اچانک محسوس کیا کہ ایک آدمی میرے پیچھے یہ کہہ رہا ہے کہ اپنی لنگی اُوپر کرو، اس میں احتیاط وتقوی بھی ہے اور کپڑے کی حفاظت بھی۔ میں نے مڑکر دیکھا تو جناب رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! یہ تو گھسی ہوئی پرانی چادر ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے لیے میری زندگی میں اُسوہ اور نمونہ نہیں ہے؟ میں نے حضور ﷺ کی لنگی کو دیکھا تو وہ نصف پنڈلی تک تھی۔

(۳۲) عن العلاء بن عبدالرحمن عن ابیہ قال : قلت لأ بی سعید ھل سمعت من رسول اللہ ﷺ شیئا فی الازار قال: نعم سمع رسول اللہ ﷺ یقول : " ازارۃ المؤمن الی انصاف ساقیہ ،لاجناح علیہ ما بینہ وبین الکعبین،وما اسفل من الکعبین فی النار،یقول ثلاثا لا ینظر اللہ الی من جرازارہ بطراً ". (ابن ماجہ ص ۲۵۵)

حضرت علاء بن عبدالرحمن اپنے والد سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوسعیدؓ

سے کہا کہ کیا تم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لنگی کے متعلق کچھ سنا ہے۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مؤمن کی لُنگی نصف ساق تک ہونی چاہیے۔ پنڈلی سے ٹخنے کے درمیان تک رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے البتہ جو حصہ ٹخنے سے نیچے ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ جو شخص ازراہِ تکبر اپنی لُنگی کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا اللہ تعالیٰ اُس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے عمامہ کا بیان :

(۳۳) عن جعفر بن عمرو بن حریث عن ابیه رضی اللّٰه عنه قال: رأیت علٰی رسول اللّٰه ﷺ عمامة سوداء . (شمائل ترمذی ص ۸)

حضرت جعفر بن عمرو بن حریث اپنے والد صاحب سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ دیکھا۔

(۳۴) عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال : کان النبی ﷺ اذا اعتم سدل عمامته بین کتفیه . (شمائل ترمذی ص ۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اُس کے شملہ کو اپنے مونڈھوں کے درمیان ڈال دیتے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کا بیان :

(۳۵) عن انس بن مالکؓ قال: " لما اراد النبی ﷺ ان یکتب الی الروم ، قیل له: انهم لن یقرؤا کتابک اذا لم یکن مختوما فاتخذ خاتما من فضة ونقشه محمد رسول اللّٰه ﷺ فکانما انظر الی بیاضه فی یده ". (بخاری شریف ۵۸۷۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہِ رُوم کے پاس خط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ کے سامنے یہ بات رکھی گئی کہ اہلِ رُوم اُس وقت تک آپ کے خط کو نہیں پڑھیں گے جب تک کہ آپ کی مہر اُس پر نہ لگی ہو تو آپ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس میں "محمد رسول اللہ" (ﷺ) منقش تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کی خوبصورتی میری نظر میں ایسی سما گئی گویا میں اب بھی آپ ﷺ کے ہاتھ میں اُس کی سفیدی اور چمک دیکھ رہا ہوں۔

۔رسول اللہ ﷺ کے جوتے کا بیان :

(۳۶) عن قتادہ قال حدثنا انس رضی اللّٰہ عنہ :" ان نعل النبی ﷺ کان لھا قبالان (زمامان). (بخاری شریف ۵۸۵۷)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے جوتے میں دو تسمے تھے۔

۔رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنا اور شیطان کا آپ کی صورت مبارکہ میں نہ ہوسکنا :

(۳۷) عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال : قال رسول اللّٰہ ﷺ من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتخیل بی ورؤیا المؤمن جزء من ستة واربعین جزءاً من النبوة . (بخاری شریف ۶۹۹۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو حقیقتاً اُس نے میری ہی زیارت کی۔اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا اور مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزو ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا بلند حسب والا ہونا :

(۳۸) عن واثلة بن الاسقعؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : ان اللّٰہ اصطفی من ولد ابراھیم اسمعیل علیہ السلام واصطفی من ولد اسمعیل بنی کنانة واصطفی من کنانة قریشاً واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم اخرجہ الترمذی وقال:ھذا حدیث صحیح. (ترمذی شریف ابواب المناقب ۲/ ۲۰۱)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا (امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا آخری نبی ہونا :

(۳۹) عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال : ان مثلی ومثل الانبياء من قبلی كمثل رجل بنی بيتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به ويتعجبون له ويقولون هلاوضعت هذه اللبنة قال: فانا اللبنة وانا خاتم النبيين. (بخاری شريف ۳۵۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی آدمی نے گھر بنایا اور اُس کو خوب آراستہ وپیراستہ کیا مگر ایک کونے میں اینٹ کی جگہ چھوڑ دی تو لوگ اس گھر کے گرد گھومنے لگے اور تعجب کے ساتھ یہ کہنے لگے کہ یہاں اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں آخری نبی ہوں۔

حضور اقدس ﷺ کے بعض اسماء مبارکہ :

(۴۰) عن الزهری عن محمد بن جبير بن مطعم عن ابيهؓ قال : قال رسول الله ﷺ : " ان لی اسماء انا محمد ، وانا احمد ، وانا الماحی الذی يمحو الله بی الكفر، وانا الحاشر الذی يحشر الناس علی قدمی وانا العاقب". (والعاقب الذی ليس بعده نبی.هذاقول الزهری) . (شمائل ترمذی ص ۲۵)

حضرت امام زہری حضرت محمد بن جبیر بن مطعم سے اور وہ اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے چند نام ہیں۔ میرا نام محمد بھی ہے اور احمد بھی اور میں ماحی بھی ہوں میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر بھی ہوں میرے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائیگا اور میں عاقب بھی ہوں اور عاقب اُس کو کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو (یہ یعنی عاقب کی تشریح امام زہری علیہ الرحمہ کا قول ہے)

یا رب صل وسلم دائماً ابدا علی حبيبک خير الخلق كلهم

(بشکریہ ندائے شاہی نعت النبی نمبر)

☆☆☆☆☆☆☆

سلسلہ نمبر ۶ قسط : ۷

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دار العلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٖ

﴿ نظر ثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

☆☆☆

حضرت حاجی صاحبؒ اور دیگر اکابر دیوبند کی نسبتِ سلوک :

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے بارے میں تاریخ دار العلوم میں تحریر ہے :

''وہ طریقۂ چشتیہ کے بزرگ اور زہد وریاضت کا مجسمہ تھے۔'' (ص ۲۲۳ ج ۲)

اکابر دیوبند چاروں طریقوں میں مجاز ہیں اور چاروں ہی طریقوں میں بیعت کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ میں بھی مجاز ہیں جو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے لیکن اِن اکابر پر نسبتِ چشتیہ ہی غالب ہے۔

حضرت اقدس مولانا السید حسین احمد المدنی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے مکتوب گرامی میں اِس پر روشنی ڈالی ہے تحریر فرماتے ہیں :

''ہر شخص جس راستہ سے فیضیاب ہوا ہے اُس کا گیت گاتا ہے اور اُسی کا مدح وثنا خواں ہوتا ہے اور یہ اس کا فریضہ ہے ورنہ لطف خداوندی منحصر کسی خانوادہ اور کسی طریقہ میں نہیں ہے ہاں ازمنہ مختلفہ میں اسی طرح تبدیل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ کاشتکار کبھی کسی نالی سے پانی جاری کرتا ہے اور کبھی کسی نالی سے، فیض مبداء فیاض بھی اسی طرح اُلٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ کا گیت گاتے ہیں وہ سچ فرماتے ہیں اُن کو وہاں ہی فیضِ اتم حاصل ہوا اور اس زمانہ میں توجہ اور عنایات ازلیہ اس طرف بہت زیادہ مبذول تھی مگر ہمیشہ نہ پہلے تھی اور نہ بعد کو ہوئی۔ ہمارے اسلاف کرام پر عنایاتِ الٰہیہ سلوکِ چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں جو کہ ازمنہءاخیرہ میں دوسرے طرق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں وذلک فضل اللّٰہ یؤ تیہ من یشاء ہم جملہ طرق اور ان کے مشائخ کے سب کے دریوزہ گر ہیں مگر اپنے باپ کا گیت گانا اس سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں جتنا کہ چچا تایوں کا حتی کہ اجداد کرام کا ''جس کا کھائے اُسی کا گائے'' مشہور مثل ہے۔ ہمارے اسلاف کرام قدس اللہ اسرارہم اگرچہ سلوکِ چشتیہ میں بہت زیادہ چست وچالاک اور گامزن ہیں مگر عمل کی حیثیت سے حضرت مجدد رحمہ اللہ ہی کے قدم بقدم ہیں ۔

ہر ہوسنا کے نہ داند جام وسنداں باختن ۔۔۔۔۔ در کفے جامے شریعت در کفے سندانِ عشق

یہ نعمت غیر مترقبہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی سے شروع ہوتی ہے اس کے یہ معنٰے نہیں کہ پہلے نہ تھی یا دوسرے اس سے خالی تھے مگر اعتبار غلبہ کا ہے۔ (مکتوب ۲۴ ص ۶۴۔ ۶۵ مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱)

حضرت اقدس مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں بہت جگہ سالکین کو تحریر فرمایا ہے یہ حال ''نسبت چشتیہ کا اثر ہے'' اور نسبت چشتیہ کا ظہور ہے'' وغیرہ

اب حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نقشہ سلاسل ملفوظات انوری سے ملاحظہ ہو۔[1]

''حج سے واپسی پر کچھ روز بعد آپ نے مدرسہ کے حسابات کی پڑتال کی۔ پھر جامع مسجد کی کیفیت دیکھی اور حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس وقت تک کوئی آمدنی مسجد کے نام کی نہیں اور نہ وہ جگہ بھی پورے طور سے صاف ہوئی ہے۔ کچھ روز تو آپ کسی مصلحت سے خاموش رہے مگر تھوڑی ہی مدت کے بعد پھر ہر دو حکم حاجی امداد اللہ صاحب کے بجالائے یعنی شادی بھی کرلی اور بنیاد مسجد بھی

---

[1] شجرہ مبارکہ کی لکھائی بہت باریک ہونے کی وجہ سے پڑھنا دشوار ہے اس لیے طبع نہیں کیا جارہا۔ محمود میاں غفرلہٗ

کھدوانی شروع کر دی چونکہ اس وقت روپیہ نہیں تھا تو اکثر بڑے بڑے ہوشیار کہنے لگے کہ حاجی صاحب گڑھے کھدوا کر ڈلوادیں گے مگر بمدِ خداوندِ کریم چند روز میں وہ بنیادیں بھی بھر گئیں اُس وقت سب کو خیال ہوا کہ جامع مسجد بن جاوے گی۔ مولوی عبدالخالق صاحب نے بھی حاجی صاحب سے کہا کہ اگر میرا کچھ مقرر کر دو تو میں مسجد ہٰذا کا ساعی ہوں اور باہر جا کر چندہ جمع کروں۔ حاجی صاحب نے کچھ مقرر کر دیا چنانچہ مولوی صاحب باہر گئے اور کئی سال تک مسجد کی تعمیر ان کی سعی سے جاری رہی اور مسجد تیار ہوگئی جواب بفضلہٖ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی تعمیر ہوگی۔'' (تذکرۃ العابدین ص ۷۲۔۷۳)

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے :

''دارالعلوم ابتداء چھتہ کی مسجد میں قائم ہوا تھا۔ یہ ایک مختصر سی قدیم مسجد ہے جب طلبہ کی کثرت ہوئی تو دارالعلوم کو ایک دوسری قریبی مسجد میں منتقل کیا گیا جو ''قاضی مسجد'' کہلاتی ہے یہ مسجد کسی قدر کشادہ تھی مگر کچھ دنوں بعد جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو قاضی مسجد کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے لیا گیا۔ اس موقع پر اکابر دارالعلوم نے یہ محسوس کیا کہ اب دارالعلوم کے لیے ایک وسیع اور کشادہ عمارت کی ضرورت ہے۔ اس زمانے میں دیو بند کی جامع مسجد زیرِ تعمیر تھی اس لیے یہ طے پایا کہ جامع مسجد میں اس مقصد سے حجرے اور دالان بنائے جائیں چنانچہ اِس کا اعلان کر دیا گیا اور چندے کی اپیل کی گئی اور جب ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں جامع مسجد تیار ہوگئی تو دارالعلوم کو اس میں منتقل کر دیا گیا۔

دارالعلوم کے اہتمام کے علاوہ جامع مسجد کی تعمیر کا کام بھی حاجی سیّد محمد عابدؒ کی نگرانی میں ہو رہا تھا دونوں کام کافی وقت چاہتے تھے اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ حاجی صاحب کے کاموں کے بار کو ہلکا کیا جائے لہٰذا دارالعلوم کا اہتمام پھر مولانا رفیع الدینؒ کے سپرد کر دیا گیا جو حج سے واپس تشریف لا چکے تھے البتہ اہم اُمور کی نگرانی حاجی صاحبؒ سے متعلق رکھی گئی۔'' (تاریخ دارالعلوم ص ۱۶۶ ج ۱)

جامع مسجد کی تعمیر ۱۲۸۳ھ میں شروع ہوئی اور ۱۲۸۶ھ میں مکمل ہوگئی تھی۔

تاریخ دیو بند میں تحریر ہے :

''حاجی صاحب نے موسس و مہتمم تعمیر کی حیثیت سے مسجد کے شمالی دروازے پر مسجد کے انتظام

سے متعلق ایک دستور العمل سنگِ سرخ پر کندہ کرا کرنصب کرادیا ہے چنانچہ اسی کے مطابق نظم ونسق قائم ہے''۔(تاریخ دیوبند ص ۲۹۸)

مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں اسی زمانہ میں ایک بزرگ سیّد جمعیت علی دیوبندی نے ایک طویل مثنوی چھ ہزار تین سو اشعار پر مشتمل لکھی تھی۔حاجی صاحبؒ کی نسبت اسی مثنوی میں ایک شعر ہے۔

پیر جی عاشق علی کے نورِ عین بانیٔ مسجد ہوئے عابد حسین

(ملخصاً از تاریخ دیوبند ص ۳۰۰)

مولانا سیّد محبوب صاحب رضویؒ لکھتے ہیں :

''حاجی صاحبؒ کو عابد حسین اور محمد عابد دونوں ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن خود حاجی صاحبؒ کی جتنی تحریریں راقم سطور کی نظر سے گزری ہیں اُن میں خود اُن کے قلم سے محمد عابد تحریر ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اولاً اِن کا نام عابد حسین تھا مگر بعد میں غالباً خود انہوں نے اِسے محمد عابد سے بدل لیا جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا نام شروع میں امداد حسین تھا مگر بعد میں امداد اللہ کرلیا کچھ یہی صورت یہاں بھی ہوئی ہے''۔(تاریخ دار العلوم ج ۲ ص ۲۲۵ حاشیہ ۲)

اب دیوبند میں متعدد مساجد میں نمازِ جمعہ ہوتی ہے مگر جامع مسجد یہی کہلاتی ہے اور یہ سب سے بڑی مسجد ہے۔جب دار العلوم جامع مسجد میں منتقل ہوا تو ۱۲۹۰ھ کا جلسہ تقسیم انعام وہیں منعقد ہوا۔

تاریخ دار العلوم میں تحریر ہے :

''۱۲۹۰ھ میں پانچ طلبہ نے سند فراغت حاصل کی فارغین کی اس جماعت میں حضرت شیخ الہندؒ بھی شامل تھے۔۱۹/ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ یوم جمعہ کو جامع مسجد میں (جہاں دار العلوم منتقل ہوگیا تھا) جلسہ عطائے سند وتقسیم انعام منعقد ہوا۔بعد نمازِ جمعہ حضرت نانوتویؒ نے ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی جس کے اقتباسات درج کیے گئے ہیں''۔(ملخصاً ص ۱۶۹ ج ۱)

''چند خیر خواہان بے غرض نے بنام خدا اِس قصبہ دیوبند میں مدرسہ کی طرح ڈالی اور تمام بنی آدم اور خصوصاً اہلِ اسلام کی بہبودی کی صورت نکالی۔سو بحمد اللہ اپنے خیال سے بڑھ کر اس نے رونق پائی اور یہاں کی دیکھا بھالی جابجا مدرسے مقرر ہوئے۔اور اس آخری زمانہ میں علم کا پھر اس طرح چرچا ہوا جیسا گل ہوتے ہوئے چراغ سنبھالا لیا کرتا ہے اور بحمد اللہ سینکڑوں آدمی اس دولت عظمٰی سے اس مدرسہ میں آکر مستفید ہوئے اور تھوڑا بہت اپنی لیاقت کے موافق حصہ لے اُڑے مگر سب دُور

ونزدیک کے رہنے والے جانتے ہوں گے کہ اس مدرسہ کی بناء دیوبند والوں نے ڈالی۔ اس امر میں وہ سب کے امام ہیں ہر چند باہر کے صاحب اس کارِ خیر میں شریک ہوئے مگر جو کچھ ہے وہ دیوبند والوں کا ہی طفیل ہے اور اس وجہ سے اگر یوں کہا جائے کہ جتنا اور سب کو اس کارِ خیر کا ثواب ملے گا اتنا ہی تنہا دیوبند والوں کو ملے گا تو عین مطابق قول نبوی ﷺ **من سن سنة حسنة فله اجرها واجرمن عمل بها الى يوم القيامه** او کما قال ہوگا۔ واقعی اہلِ دیوبند نے وہ کام کیا ہے کہ قیامت تک صفحۂ ہستی پر ان کی یادگار رہے گی۔ یہ نامی مدرسہ ہمیشہ اہلِ دیوبند کی یادگاری کا باعث رہے گا چونکہ اور اکثر مدارس اس مدرسہ کی دیکھا بھالی مقرر کئے گئے ہیں یا کئے جاتے ہیں تو کوئی مدرسہ اس سے ترقی کر پائے، پر اہلِ عقل کے نزدیک وہ دیوبند ہی کا پرتو ہوگا اور اس پر جب یہاں کے باشندوں کی شکستہ حالی اور پریشانی روزگاری پر نظر کی جائے تو یہ ان کی ہمت کی بات کسی طرح ان کاموں سے کم نہیں جو اہلِ سلطنت نے برفاہِ عام کیے ہیں بایں ہمہ کھانے کی امداد میں طالب علموں کے ساتھ جو دل سوزی یہاں کے باشندوں نے کی وہ اتنی نہیں کہ ہم زبان سے ادا کریں۔

فرشتوں نے اگر طالبانِ علوم کے قدم کے نیچے پر بچھائے تو انہوں نے ان کے سر پر دستِ شفقت رکھا، ماں باپ کو بھلا دیا، دیوبند کو مثل گھر بنا دیا۔ یہ وہ خاص بات ہے جس میں شرکاء چندہ میں سے کوئی ان کا شریک وسہیم نظر نہیں آتا اس کے عوض میں خداوند کریم یہاں کے باشندوں کو دارین میں جزائے کامل عطا کرے۔ بالجملہ اس دولت بے زوال سے بدولت اہلِ دیوبند عالم مستفید ہے۔" (تاریخ دارالعلوم ص ۱۶۹ و ص ۱۷۰ ج ۱)

دارالعلوم کے لیے وسیع جگہ :

تذکرۃ العابدین میں بناء جامع مسجد کے ذیل میں تحریر ہے :

"بعض کام مسجد کے جو اَب تک باقی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت بنائے جامع مسجد کے یہ بات قرار پائی تھی کہ مسجد کی سہ دریوں میں مدرسہ رہے گا، علیحدہ نہیں بنوایا جائیگا مگر کئی سال کے بعد اہلِ شوریٰ کا یہ مشورہ ہوا کہ مدرسہ علیحدہ بنوایا جاوے۔ اس وقت حاجی صاحب نے کہا کہ تم نے مسجد کا کام کیوں بڑھوا دیا۔ مسجد میں سہ دریوں کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔

اُس وقت اہلِ شورٰی نے یہ سمجھا کہ حاجی صاحب کو رنج ہوا سب خاموش ہو رہے اور مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد سے آ کر بہت کچھ عذر کیا کہ "مجھ کو معلوم نہیں تھا کہ اہلِ شورٰی نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اور خفیہ طور سے مشورہ کیا ہے میں معافی چاہتا ہوں" پھر کسی نے کچھ ذکر نہ کیا۔

ایک روز حضرت حاجی صاحب کو خود خیال آیا اور اہلِ شورٰی سے کہا کہ مدرسہ علیحدہ بنانا چاہیے اور مدرسہ کے واسطے جگہ خریدنی چاہیے۔ اہلِ شورٰی نے کہا کہ اگر آپ کی رائے ہے تو بہت بہتر ہے مگر آپ ہی جگہ تجویز کر کے خرید فرمائیے۔ چند روز کے بعد حاجی صاحب نے جگہ تجویز کر کے خرید کی کہ جس کا بیعنامہ بھی حاجی صاحب کے نام ہے، مولوی رفیع الدین صاحب کو جو کہ مہتمم مدرسہ تھے اہتمام تعمیر سپرد کیا جو کہ بفضلہٖ آج ایک لاکھ روپیہ کی تعمیر کا مدرسہ تیار ہے اور دور دور ممالک میں جس کا نام آج روشن ہے"۔ (تذکرۃ العابدین ص۷۲ و ص۷۳)

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے تذکرۂ شیخ الہندؒ میں اس کھیوٹ کا نقشہ بھی دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیع جگہ موجودہ عمارت کے لیے پھر مسجد چھتہ ہی کے قریب پسند کی گئی اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب کے ایماء پر ان ہی کے اہتمام میں ایک قطعہ اراضی وقف کیا گیا جس کا نقشہ یہ ہے :

کھیوٹ بابت ۱۲۱۱ فصلی

نام پٹی	نام نمبردار	نمبر کھیوٹ	تعداد اراضی	جمع	نام حصہ دار
احمد نبی	آل حسن	۱۶/ ۷	۵ بسولہ	خارج پڑتہ	وقف مدرسہ عربی باہتمام حاجی عابد حسین پسر عاشق علی مرحوم قوم سیّد ساکن دیہہ

(ماخوذ از تذکرہ شیخ الہندؒ ص ۱۴۴، مولفہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم ناشر مدنی دار التالیف)

دارالعلوم کے لیے موجودہ جگہ کی تجویز :

تاریخ دار العلوم میں تحریر ہے کہ :

"چھتے کی مسجد میں جگہ تنگ ہو جانے پر مدرسہ کو قاضی مسجد میں منتقل کیا گیا اور جب کچھ عرصے کے بعد وہ جگہ بھی کم ثابت ہوئی تو جامع مسجد میں مدارس کے قدیم طرز کے مطابق حجرے اور دالان

بنائے گئے جہاں ۱۲۹۰ھ میں دارالعلوم منتقل کیا گیا مگر دارالعلوم کی روز افزوں ترقی کے باعث بہت جلد یہ جگہ بھی ناکافی ہوگئی تو حضرت نانوتویؒ کے ایماء پر مجلس شورٰی نے یہ طے کیا کہ آبادی سے باہر ایک کشادہ اور وسیع عمارت دارالعلوم کے لیے تعمیر کی جائے۔ ۱۹/ذی قعدہ ۱۲۹۱ھ کو جلسہ انعام کے موقع پر یہ تجویز پیش کی گئی جس کو حاضرین جلسہ نے پسند کرتے ہوئے ضروری قرار دیا اور اس کے لیے اُسی وقت چندہ جمع ہونا شروع ہوگیا چنانچہ ایک قطعۂ زمین آبادی کے شمال مغرب میں خرید لیا گیا یہ جگہ چھتے کی مسجد سے ملحق اور آبادی سے قریب ہونے کے باوجود ایسی تھی جس میں دارالعلوم کے بڑھنے اور پھلنے کے لیے گنجائش موجود تھی۔ روداد میں لکھا ہے: اللہ کا شکر ہے کہ مثل دیگر تائیداتِ غیبی کے اس آرزوِ دیرینہ میں بھی جس کی سالہا سال سے اُمید تھی تائیدِ غیبی نے جوش مارا اور رحمتِ الٰہی شامل حال ہوئی یعنی اربابِ شورٰی کی رائے میں یہ تجویز قرار پا گئی کہ ایک مکان وسیع تعلیم و سکونت و دیگر حاجات طلبۂ مدرسہ کے لیے تیار کیا جائے چنانچہ ۱۹/ذی قعدہ ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ عین جلسہ انعام طلبہ میں اس کے لیے گزارش کیا۔ اُسی وقت بہت سے ذی ہمتوں نے ایک فرد چندہ تیار کی اور بہت سے عالی ہمتوں کے نام اس میں تحریر کیے گئے الخ۔'' (تاریخ دارالعلوم ص ۱۷۴ و ۱۷۵ ج ا)

صاحب تذکرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ اچانک یہ بات سن کر کہ مدرسہ کے لیے نئی جگہ کی تجویز ہو رہی ہے کبیدہ خاطر ہوئے اور تاریخ دارالعلوم میں بحوالۂ رُوداد مجلس شورٰی کا بالاتفاق طے کرنا تحریر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تذکرہ کی بات پہلے کی ہے اور اس میں تحریر حضرت نانوتوی قدس سرہ کے جامع مسجد سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ مدرسہ سے تشریف لائے نہ کہ وہاں کے کسی جلسہ سے اور پھر یہ ہوا کہ سب متفق الرائے ہوگئے اور ۱۲۹۱ھ میں نئی جگہ کے لیے چندہ کی اپیل کی گئی۔ نئی جگہ بنیاد ۱۲۹۲ھ میں ہوا اس میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے تقریر ہی نہیں فرمائی تھی بلکہ ان کی تحریر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے پڑھ کر سنائی تھی وضاحت کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سن وار ساری کارروائیاں لکھ دی جائیں۔

حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آغاز ہی سے کبھی اپنے نام کی خصوصیت نہیں برتی۔ قیام دارالعلوم کے اعلان کی عبارت سے یہ واضح ہے۔

''الحمد للہ دیوبند میں اکثر اہلِ ہمت نے جمع ہو کر کسی قدر چندہ جمع کیا اور ایک مدرسہ عربی پندرہ تاریخ محرم ۱۲۸۳ھ سے جاری ہوا''۔

اسی طرح اس اعلان کے آخر میں حاجی صاحبؒ نے اپنے آپ کو دوسروں کے برابر رکھا ہے سوائے اِس کے کہ اُن کا اسم گرامی سب سے پہلے لکھا گیا ہے۔ تحریر ہے کہ :

''نام متممان کے درج ذیل ہیں
جن صاحبوں کو روپیہ چندہ بھیجنا منظور ہو تو بنام ان کے بذریعہ خط بیرنگ ارسال فرمادیں۔ رسید اُن کی بصیغۂ پیڈ بھیجی جاوے گی فقط حاجی عابد حسین صاحب، مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی مہتاب علی صاحب، مولوی ذوالفقار علی صاحب، مولوی فضل الرحمٰن صاحب، منشی فضل حق صاحب، شیخ نہال احمد صاحب، العبد فضل حق سربراہ کار مدرسہ عربی و فارسی و ریاضی قصبہ دیوبند تحریر بتاریخ ۱۹ محرم الحرام ۱۲۸۴ھ روز دوشنبہ۔'' (تاریخ دارالعلوم ص ۱۵۶۔۱۵۷ ج ۱)

مولانا محبوب رضویؒ لکھتے ہیں :

''ان میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ دارالعلوم کے سب سے پہلے سرپرست تھے اور حضرت حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ پہلے مہتمم تھے۔'' (تاریخ دارالعلوم ص مذکورہ بالا)

یہی حضرات اراکین شوریٰ قرار پائے۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۶۱ ج ۱)

سالانہ امتحان شعبان ۱۲۸۳ھ میں ہوا۔ ممتحن حضرات تین تھے حضرت نانوتویؒ، مولانا مہتاب علی صاحبؒ، مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمہم اللہ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۶۰ و ص ۱۶۱ ج ۱)

۱۲۸۴ھ میں وبائی امراض اس شدت سے ہوا کہ دو ماہ مدرسہ بند رہا اور حضرت حاجی صاحبؒ نے اچانک حج کا ارادہ فرمالیا اُن کے اِس سفر کو دارالعلوم کے لیے زلزلہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابتداء شعبان ۱۲۸۴ھ سے مولوی رفیع الدین صاحب کو مہتمم بنادیا گیا۔

۱۲۸۵ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے طلبہ کا سہ ماہی امتحان لیا اور مدرسہ کا معائنہ فرمایا۔

۱۲۸۶ھ میں ملک گیر قحط رہا اور تپ ولرزہ کی وباء کی شدت رہی، مدرسہ میں پانچ ماہ تعلیم نہیں ہوسکی۔ اس سال اہتمام میں پھر تبدیلی ہوئی۔ مولانا رفیع الدین صاحبؒ سفرِ حج پر چلے گئے اور حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کو دوبارہ مہتمم بنا دیا گیا۔

۱۲۸۷ھ: گزشتہ برس کا سالانہ امتحان اس سال ذی الحجہ میں لیا گیا ملک میں قحط اور گرانی رہی۔

۱۲۸۸ھ: طلبہ کی تعداد بڑھ گئی قاضی کی مسجد کے قریب کرایہ پر مکان لیا گیا۔ اس موقع پر اکابر دارالعلوم نے یہ محسوس کیا کہ اب دارالعلوم کے لیے ایک وسیع اور کشادہ عمارت کی ضرورت ہے۔ اس زمانے میں دیوبند کی جامع مسجد زیرِ

تعمیر تھی اس لیے یہ طے پایا کہ جامع مسجد میں اس مقصد سے حجرے اور دالان بنائے جائیں چنانچہ اس کا اعلان کر دیا گیا اور چندے کے لیے اپیل کی گئی اور جب ۱۲۹۰ھ میں جامع مسجد تیار ہوگئی تو دارالعلوم کو اس میں منتقل کر دیا گیا۔

اسی سال مولانا رفیع الدین صاحبؒ کی واپسی پر اہتمام دارالعلوم حاجی صاحبؒ کے پاس کام زیادہ ہونے کی وجہ سے انہیں دیدیا گیا البتہ اہم امور کی نگرانی حاجی صاحبؒ سے متعلق رکھی گئی۔

۱۲۸۹ھ.......عطاء اسناد :

مولانا احمد حسن امروہی، مولانا خلیل احمد انبہٹوی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا عبداللہ انصاری انبہٹوی، مولانا فتح محمد تھانوی، مولانا محمد فاضل پھلتی، مولانا احمد حسن دیوبندی، قاضی جمال الدین، مولانا عبداللہ جلال آبادی رحمہم اللہ اور ۱۶/ حضرات اس وقت موجود نہ تھے۔

۱۲۹۰ھ.......جلسہ تقسیم انعام :

اس جماعت میں حضرت شیخ الہندؒ بھی شامل تھے۔ ۱۹/ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ جمعہ کے دن جامع مسجد میں جہاں دارالعلوم منتقل ہو گیا تھا جلسہ عطاء سند و تقسیم انعام منعقد ہوا۔ شرکاء جلسہ میں حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت قاضی محمد اسمٰعیل صاحب منگلوری، مولانا محمد مظہر صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہم تھے رحمہم اللہ۔

بعد نمازِ جمعہ حضرت نانوتوی قدس سرہ نے ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی۔ یہ تقریر تاریخ دارالعلوم ج ا میں ص ۱۶۹ سے ۱۷۳ تک تحریر ہے۔ علوم مروجہ کی تعلیم پر بھی آپ نے روشنی ڈالی ہے (یہ آج کل طبع ہونے کے قابل ہے)۔ جلسہ میں حسبِ ذیل حضرات کے سروں پر دستارِ فضیلت باندھی گئی :

"مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا عبدالحق پورقاضویؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا فتح محمد تھانویؒ اور مولانا عبداللہ جلال آبادیؒ۔"

۱۲۹۱ھ میں مدرسہ تھانہ بھون کا دارالعلوم دیوبند سے الحاق ہوا۔ اسی سال حضرت شیخ الہندؒ اعزازی (بلا تنخواہ) دارالعلوم کے معین مدرس مقرر ہوئے۔

۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۵ء میں انگریز کا جاسوس "جان پامر" آیا اُس کی رپورٹ تاریخ دارالعلوم میں ص ۱۷۵ ج ا میں ملاحظہ ہو، دلچسپ اور علمی ہے۔

۱۲۹۲ھ میں جلسہ تقسیم اسناد ۲/ ذی الحجہ جمعہ کے دن ہوا۔ اس جلسہ میں حضرت نانوتویؒ کی تحریر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہما نے پڑھ کر سنائی۔ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے دستار بندی فرمائی پھر مجمع نے نئی

جگہ جا کر سنگِ بنیاد رکھا۔ سنگِ بنیاد حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رکھوائی گئی پھر ایک ایک اینٹ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ نے رکھی اور حضرت میانجی منے شاہؒ اور حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے بھی رکھی۔

اس موقع پر یہ روایت بھی مشہور ہے کہ جب بنیاد رکھی جا چکی تو سب لوگوں نے دارالعلوم کی بقاء و ترقی کے لیے نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دعاء کی، حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ :

''عالمِ مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی کے مانند ہے جب تک اس کا مدار توکل اور اعتماد علی اللہ پر رہے گا یہ مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔'' (تاریخ دارالعلوم از ص ۱۸۲۔۱۸۴، ج ۱ ملخصاً)

تاریخ دارالعلوم میں ہے :

''یہ عمارت آٹھ سال کی مدت میں تیئیس ہزار (۲۳۰۰۰) روپے کے صرف سے ''نودرہ'' کے نام سے بن کر تیار ہوئی۔ روداد میں لکھا ہے کہ : ''اس عمارت میں سادگی اور استواری کو مقدم رکھا گیا ہے اس کا نقشہ منجانب اللہ قلوب پر الہام ہوا تھا۔''

''یہ عمارت مہتمم دوم حضرت مولانا رفیع الدینؒ کے زمانہ اہتمام میں تعمیر ہوئی۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ :

''یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے''

یہ فرما کر خود عصائے مبارک سے ایک طویل و عریض نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ ان نشانات پر تعمیر کی جائے چنانچہ اسی کے مطابق بنیاد کھدوا کر تعمیر شروع کرائی گئی۔ دارالعلوم کی یہ جگہ احاطہ مولسری کے نام سے موسوم ہے اسی احاطہ میں وہ تاریخی کنواں ہے جو نودرے کے ساتھ بنا تھا۔ یہ کنواں بڑا بابرکت سمجھا جاتا ہے اس کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے۔ مشہور عالم و مصنف مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس کنویں کے پانی کی نسبت اپنا یہ تاثر بیان کیا ہے کہ اتنا لذیذ اتنا خوشگوار اتنا شیریں صاف وسبک اور خنک پانی میں نے اس سے پہلے نہیں پیا تھا۔ (تاریخ دارالعلوم ص ۱۸۵ ج ۱)

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ ہی نے ایک دوسرے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ کنواں دُودھ سے بھرا ہوا ہے اور آنحضرت ﷺ پیالے سے دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس چھوٹے برتن ہیں بعض کے پاس بڑے، ہر شخص اپنا اپنا برتن دودھ سے بھروا کر لے جا رہا ہے۔ مولاناؒ نے برتنوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی یہ تعبیر دی کہ اس سے ہر شخص کا ''ظرفِ علم''

مراد ہے۔ (تاریخ دارالعلوم ملخصاً از ص ۱۸۳ تا ۱۸۶ ملخصاً)

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہو رہا ہے کہ اہلِ شوریٰ کی رائے پہلے کچھ اور تھی، بعد میں کچھ اور ہوئی جس سے حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبیدہ خاطر ہوئے اور کبیدگی کی وجہ بھی ذکر فرمادی کہ "مسجد کا کام کیوں بڑھوادیا"

☆ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ نے یہ محسوس فرمایا اور فوراً تدارک فرما کر کبیدگی خاطر رفع فرمادی۔

☆ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے پھر کچھ روز اس نقطۂ نظر سے غور فرمایا اور اہلِ شوریٰ کو اجازت دی کہ جگہ خرید لیں۔ ظاہر ہے کہ جس کے اُوپر ذمہ داری ہو وہ بغیر غور و فکر کیے ایک دم رائے نہیں بدلا کرتا۔

☆ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ پھر انہوں نے اپنے خلوت خانہ اور عبادت خانہ یعنی مسجد چھتہ سے متصل جگہ کا سودا کیا اور اس جگہ کو اس عظیم کارِ خیر کے لیے پسند فرمایا تاکہ جہاں سے کام شروع ہوا ہے وہیں جگہ لے کر پھیلا دیا جائے چنانچہ آج دارالعلوم چھتہ کی مسجد سے شروع ہو کر باب الظاہر بلکہ قبرستان قاسمی و قبر حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک پھیل گیا ہے۔

☆ اس جگہ کا بیع نامہ خود حضرت حاجی صاحبؒ ہی کے نام پر ہے یہی صاحبِ تذکرہ نے ص ۷۳ پر بصراحت تحریر فرمایا ہے۔

☆ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کا قیام میرٹھ میں رہتا تھا اور حضرت اقدس کے اعتذار سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ شوریٰ نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اپنے طور پر مشورہ کیا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ کو ان باتوں کے حضرت حاجی صاحب تک نہ پہنچانے کا صدمہ ہوا اور ان کی نظر میں یہ اہلِ شوریٰ کی غلطی تھی۔

☆ اقبال حسن خان پی۔ ایچ۔ ڈی نے لکھا ہے :

> ۱۲۹۰ھ تک دارالعلوم کے عملی کاموں میں مولانا محمد قاسم صاحب (قدس سرہ) کا ذکر نہیں ملتا۔ ہاں ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۶ء میں جب مدرسہ کا موجودہ وسیع تخیل سامنے آیا اور خاکہ تیار ہوا تو اُس میں مولانا محمد قاسم صاحب کی ذاتِ گرامی پیش پیش تھی۔ یہ سب حضرات شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے متاثر اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے۔ مدرسہ کے لیے (موجودہ وسیع شکل میں) ہفت سالہ نصاب تعلیم اور مستقل نظامِ عمل اور اساسی قواعد مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہی نے بنائے اور پوری طرح آپ نے اس رَو کو پیشِ نظر رکھا جو شاہ صاحب اور اسلاف کے پیشِ نظر تھی۔" (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ص ۱۰۶ و ص ۱۰۷)

جناب اقبال حسن خان کے سامنے پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی معلومات آنے سے رہ گئیں یا اُن پر غور کرنے کا موقع نہیں ملا مثلاً ان کا یہ فرمانا کہ جناب حاجی محمد عابد صاحب کے ذہن میں ایسا بڑا مدرسہ نہ تھا درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ چھوٹے مکتب تو دیوبند میں موجود تھے جن کا ذکر تاریخ دیوبند میں ہے اور مولانا مہتاب علی صاحب کا بھی مکتب تھا (جنہیں دارالعلوم کی شوریٰ میں لیا گیا ہے) اگر ایسا ہی مکتب بنانا ہوتا تو وہ تو جناب حاجی محمد عابد صاحبؒ تنہا ہی بنا سکتے اور چلا سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت سیّدنا و مولانا نانوتویؒ کو بلایا۔

☆ حضرت حاجی صاحبؒ مولانا ولایت علی قدس سرہٗ سے بیعت تھے اور ان سے خلافت حاصل تھی اور ان کو حضرت سیّدنا احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے (ملاحظہ ہو نقشہ سلاسل در ملفوظات انوری) وہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی تحریک سے واقف تھے۔

☆ وہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ سے، اُن کے مجاہدانہ کارناموں سے، اُن کے علمی بلند پایہ سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اور اس علاقہ کے سرگروہان اولیاء و علماء و صلحاء (یعنی حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا محمد یعقوب، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب وغیرہ قدس اللہ اسراہم و نور مراقدھم) کے ساتھ ۱۲۷۸ھ میں یعنی ۱۸۵۷ء سے صرف چھ سال بعد سفرِ حج کر چکے تھے (اس سفر کا حال بیاض یعقوبی میں مولانا محمد یعقوب صاحب نے خود بھی تحریر فرمایا ہے وہ ایسے ہی جلیل القدر علماء پر مشتمل ایک درس گاہ بنانے کے خواہش مند تھے چھوٹی موٹی درس گاہ کے نہیں۔ یہ بلاشبہ ایسے علماء تھے کہ ایک ایک عالم ایک ایک یونیورسٹی پر بھاری تھا بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جنہوں نے حضرت کو دیکھا ہی نہیں یعنی ہم تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کے معترف ہوں اور حضرت حاجی صاحب جنہوں نے دیکھا تھا اور جن کے نظرِ انتخاب نے انہیں ہی پسند کیا تھا اور ان کی جلالتِ شان سے واقف نہ ہوں تو حاجی صاحب کے ذہن مبارک میں بقدر قامت حضرت نانوتویؒ بڑا مدرسہ تھا چھوٹا نہیں۔

☆ حضرت مولانا ذوالفقار علی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً اور صاحبِ تذکرۃ العابدین نے مفصل طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ حاجی صاحب کو درسگاہ بنانے کا الہام ہوا کہ علمِ دین نہ اُٹھنے پائے ظاہر ہے چھوٹے مدرسہ یا مکتب سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ اسی طرز کی درس گاہ سے پورا ہو سکتا تھا جس سے فقہا و محدثین کے گروہ پیدا ہوں۔

☆ حضرت اقدس الحاج محمد عابد صاحبؒ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی صف کے تھے۔ باقی حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ دیوبند کے عوام تک سے کتنے خوش ہوئے اس کا اندازہ حضرت کی تقریر سے لگایئے جو مبالغہ سے خالی اور خوش بیانی میں سحر ہے۔ یہ روئداد ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۲ء ص ۲ کے حوالہ سے تاریخ دیوبند میں نقل کی گئی ہے جو آپ پڑھ چکے ہیں۔

☆ مدرسہ تو شاید حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے اندازہ سے بھی زیادہ بڑا ہو گیا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا فرمانا تھا کہ اگر مدرسہ پچاس سال چل جائے تو مقصد پورا ہوگیا۔ حضرت شیخ الہندؒ اس سے اپنے جہادِ آزادی میں بھرپور حصہ لینے پر استدلال فرماتے تھے کہ اگر اس کی وجہ سے خدانخواستہ اب مدرسہ بند بھی ہو جائے تو حرج نہیں۔ وہ مدت پوری ہوگئی ہے جو استاذِ علوم کی نیت تھی۔

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی حیات تک بلکہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی حیات طیبہ تک بھی طلبہ کی تعداد تھوڑی ہی تھی (تقریباً ایک سو ستر کیونکہ حضرت کی وفات ۱۳۹۷ء میں ہوگئی)۔ تعداد کا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے کیجئے :

۱۲۸۳ھ میں ۷۸ طلبہ تھے	۱۲۹۳ھ میں ۱۷۸ طلبہ تھے
۱۳۰۴ھ میں ۱۵۹ طلبہ تھے	۱۳۱۲ھ میں ۲۹۳ طلبہ تھے
۱۳۲۲ھ میں ۲۸۴ طلبہ تھے	

اس کے بعد طلبہ کی تعداد اور زیادہ بڑھتی چلی گئی حتی کہ سو سال بعد ۱۳۸۲ھ میں ۱۵۶۹ طلبہ ہوگئے۔ (تاریخ دیوبند ص ۲۷۲)

اور اب بحمد اللہ ڈھائی ہزار کے قریب طلبہ ہونے لگے ہیں۔ **اللّٰھم زد فزد وتقبل واجعل سعیھم مشکورا.** (جاری ہے)

☆☆☆☆☆

آیئے قرآن سیکھیں (فرقہ واریت سے پاک ماحول) برائے خواتین وحضرات

فہمِ قرآن کلاس

مدت 3 ماہ (روزانہ ایک گھنٹہ) بلا معاوضہ

آغاز 19 / جولائی 2004ء سے ہوگا

کلاس (1) دی لاریٹ اکیڈمی فرسٹ فلور المیز ان سپر سٹور شاہدرہ موڑ لاہور صبح 5:30 تا 6:30

کلاس (2) کامسٹ کالج بنک سٹاپ وحدت روڈ لاہور شام 7:30 تا 8:30

رابطہ : مولانا احمد یار لاہوری، مدیر عالمی فہم قرآن (ٹرسٹ) دار العلوم لاہور

فون نمبر: 7913549 موبائل 0333-4384843

قسط : ۱

دعاء کی افادیت واہمیت

﴿ خطیبِ اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب ﴾

☆☆☆

وللدعوات تاثیر بلیغ وقد ینفیه اصحاب الضلال

(قصیدہ بذ الامالی)

لا تسئلن بنی ادم حاجة وسل الذی ابوابه لا تحجب

الله یغضب ان ترکت سؤاله و بنی ادم حین یسال یغضب

(فیض القدیر)

عن النعمان بن بشیرؓ قال قال رسول الله ﷺ الدعاء هوالعبادة ثم قرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین . (احمد ، ترمذی، نسائی، ابن ماجه)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دُعاء عین عبادت ہے۔ اس کے بعد آپ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی "وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین" تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دُعاء کرو اور دعا مانگو میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا جو میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کریں گے۔ ان کو ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا۔

عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ الدعاء مخ العبادة. (ترمذی، ابن ماجه)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لیس شیّ اکرم علی الله من الدعاء (ترمذی .ابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے یہاں

کوئی چیز اور کوئی عمل دُعا سے زیادہ مکرم نہیں۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من فتح له منکم باب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة. وما سئل اللّٰہ شیئاً یعنی احب الیه من ان یسئل العافیة. (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس کے لیے دُعاء کا دروازہ کھل گیا اُس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ تعالیٰ کو سوالوں اور دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دُعا کریں (یعنی کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں)۔

عن ابی ہریرةؓ قال قال رسول اللّٰہ من لم یسأل اللّٰہ یغضب علیه . (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ سے نہ مانگے اُس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ سلوا اللّٰہ من فضله فان اللّٰہ یحب ان یسأل وافضل العبادة انتظار الفرج. (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے اُس کا فضل مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے بندے اس سے دعاء کریں اور مانگیں اور فرمایا کہ اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ بلا اور پریشانی کو دور فرمائے گا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ان الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل فعلیکم عباداللّٰہ بالدعاء . (ترمذی ، احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دُعاء کارآمد اور نفع بخش ہوتی ہے اُن حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور اُن میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے پس اے خدا کے بندو! دُعاء کا اہتمام کرو۔

عن جابرؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ الا ادلکم علی ما ینجیکم من عدوکم ویدرلکم ارزاقکم تدعون اللّٰہ فی لیلکم ونهارکم فان الدعاء سلاح المؤمن (مسند ابو یعلی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ عمل نہ

بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دعاء کرو رات میں اور دن میں کیونکہ دعا مومن کا خاص ہتھیار یعنی اس کی خاص طاقت ہے۔

وعن سلمان الفارسیؓ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا یردّ القضاء الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البرّ. (ترمذی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تقدیر کو دعا کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بدلتی اور عمر کو نیکی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بڑھاتی۔

فائدہ: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اندازِ بیان اس چیز کو ظاہر کر رہا ہے کہ بلا اور معصیت کے دفع کرنے میں دعا کو خاص تاثیر حاصل ہے جو کسی اور چیز کو حاصل نہیں۔ اگر آدمی پر کسی معصیت کے آنے کا اندیشہ ہو اور اس کو دُعا کی توفیق ہو جائے تو پھر اس ذریعہ سے وہ معصیت دور اور دفع ہو جائے گی اور وہ اس سے نجات پا جائیگا۔

الدعاء مفتاح الرحمة . والوضوء مفتاح الصلٰوة . والصلٰوة مفتاح الجنة.

(جامع الصغیر للسیوطی)

دُعاء رحمت کی کنجی ہے اور وضو نماز کی کنجی ہے اور نماز جنت کی کنجی ہے۔

دُعاء انسانی فطرت کا تقاضا ہے :

انسان دنیاوی خوشحالی اور مادی ترقی کی بنا پر خواہ اپنے رب سے کتنا ہی دُور چلا جائے اور غفلت ونسیان کے کتنے دبیز پردے اس کے دل پر پڑ جائیں۔ بہر حال مصائب کے ہجوم اور مبتلا آلام ہونے کے وقت بے اختیار، بے ساختہ فریاد اور دُعا کے لیے اُس کے ہاتھ اُٹھ ہی جاتے ہیں۔ دل مضطرب سے معاً الفاظ پکار بن کر نکلتے ہیں۔ بے ساختگی کے عالم میں نکلی ہوئی یہ آواز دعا کہلاتی ہے۔ مصیبت میں پکارنے کی جبلت ایک مسلمہ حقیقت ہے انسان اپنے اس جبلی ادراک کے تحت ایک برتر ہستی کے سامنے اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہے اور اُسے فریاد رس سمجھ کر امداد واعانت کا طالب ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس فطری تقاضے کو کئی جگہ بیان کیا ہے۔ فرمایا :

اذا مسّ الانسان ضر دعا ربهٗ منیباً الیه . (الزمر، آیت ۸)

جب انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو اپنے پالنے والے کو پکارتا ہے اور ہمہ تن اسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

واذا مس الانسان الضر دعانا لجنبه او قاعدًا اوقائماً فلمّا کشفنا عنهُ ضرّهٗ مرّ کان لّم یدعنا الیٰ ضرٍّ مسّهٗ. (سورۃ یونس . آیت ۱۲)

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ کروٹ پر یا بیٹھے یا کھڑے (ہر حال میں) ہم کو پکارے چلا جاتا ہے۔ پھر جب ہم اُس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو ایسا (بے پرواہ بن کر) چل دیتا ہے گویا اس تکلیف کے دور کرنے کے لیے) جو اُس کو پہنچ رہی تھی ہم کو (کبھی) اُس نے پکارا ہی نہ تھا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

هو الذی یسیّرکم فی البر والبحر حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بهم بریح طیبة وفرحوا بها جاء تها ریح عاصف وجاء هم الموج من کل مکان وظنوا انهم احیط بهم دعوا اللّٰه مخلصین له الدین . لئن انجیتنا من هٰذه لنکوننّ من الشاکرین . فلمّا انجاهم اذا هم یبغون فی الارض بغیر الحق. (سورۃ یونس .آیت ۲۲)

"وہی خدا ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے (سفر کی سہولتیں مہیا کرتا ہے) یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ لوگوں کو خوشگوار ہوا کی مدد سے لے کر چلتی ہیں اور لوگ اُن کی رفتار سے خوش ہوتے ہیں کہ (ناگاہ) کشتی کو تیز تند ہوا کا جھونکا آ لگتا ہے اور پانی کی لہریں ہر طرف سے چڑھ آتی ہیں اور وہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ اب تو (بُری طرح) گھیرے میں آ پھنسے ہیں تو ایسے موقع پر خلوص دل سے خدا ہی کی بندگی کا اظہار کرتے ہوئے اُس سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں (کہ اے پروردگار) اگر تو ہم کو اس سے نجات دے تو ہم ضرور ہی تیرے شکر گزار ہوں گے لیکن جب وہ اُن کو اِس بلا سے نجات دے دیتا ہے تو وہ خشکی پر پہنچتے ہی ناحق طور پر سرکشی کرنے لگتے ہیں۔"

بہرحال دُعا بیچارگی اور درماندگی کی حالتِ اضطرار میں لطف و رحم کی وہ پکار ہے جو اطمینانِ قلب کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے جب کوئی خطرہ خوفناک شکل میں اس کی طرف پیش قدمی کرتا ہے یا جب کسی اُمید کے چراغ کی لو مدھم ہونے لگتی ہے تو وہ بے اختیار اس پاک ذات کی طرف لوٹتا ہے جو ارض وسمٰوات کی خالق اور کائنات کی مدبّر ہے جس کے قبضہ قدرت میں یہاں کے ہر وجود کی تقدیر ہے۔

اذا مسکم الضر فالیه تجئرون . (النحل .آیت ۵۳)

جب تم کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے آگے روتے اور گڑگڑاتے ہو

دُعاء کی حقیقت :

اس کی حقیقت نیاز مندی ہے یعنی اپنی حاجت اور احتیاج کو پیش کرنا کہ اے اللہ ! ہمیں یہ دیدے۔

آیت اور حدیث دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعاء عین عبادت ہے خواہ کسی قسم کی ہو دینی ہو یا دنیوی ہو مگر ناجائز امر کے لیے نہ ہو، خواہ چھوٹی سی چیز کی ہو یا بڑی چیز کی۔

حدیث شریف میں یہاں تک آیا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو اور جتنی عبادتیں ہیں اگر دنیا کے لیے ہوں تو عبادت نہیں رہتیں مگر دُعا ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر دنیا کے لیے ہی ہو تب بھی عبادت ہے اور ثواب ملتا ہے۔ مثلاً مال مانگے یا اور کوئی دنیوی حاجت مانگے جب بھی ثواب کا مستحق بنے گا۔ حدیث شریف میں ہے **من لم یسئل اللّٰہ یغضب علیہ** کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اُس پر اللہ تعالیٰ غصہ کرتے ہیں جو برابر مانگتا رہے اُس سے خوش ہوتے ہیں۔

ہر تدبیر میں انسان اپنے جیسے کے سامنے احتیاج کو ظاہر کرتا ہے خواہ قالاً ہو یا حالاً اور دُعا میں ایسے سے مانگتا ہے جو سب سے زیادہ کامل القدرۃ ہے اور جس کے سب محتاج ہیں اور عقل بھی یہی کہے گی کہ جو سب سے زیادہ قادر تر ہے اُسی سے مانگنا اکمل وانفع ہے۔

پس یقیناً یہ تدبیر (دُعاء) ہر تدبیر سے بڑھ کر ہے کیونکہ اور تدبیر بھی حق تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ ہی سے کامیاب ہو سکتی ہے۔ تو جو شخص حق تعالیٰ سے مانگے گا وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ دُعا صرف امور غیر اختیاریہ کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ عام خیال ہے کہ جو امر اپنے اختیار سے خارج ہوتا ہے وہاں مجبور ہو کر دُعا کرتے ہیں ورنہ تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے بلکہ امور اختیاریہ میں بھی دُعاء کی سخت ضرورت ہے۔ اصل کام تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ اسباب وعلامات محض بندوں کی تسلی ودیگر حکمتوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

ایں سبہا در نظر پردہاست در حقیقت فاعل ہر شئے خداست

(شریعت اور طریقت ص ۱۴۶، ۱۴۷)

ضرورتِ دُعاء :

کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو صلاح وفلاح کی ضرورت نہ ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دارین کی صلاح وفلاح کے واسطے اسباب وابواب موضوع فرمادیئے کہ اہلِ حاجت ان سے مدد لیں اور عقبات ومہالک سے نجات پائیں۔ ان اسباب میں سے بجز دعا کے جتنے اسباب ہیں اُن کے سببات خاص خاص اُمور ہیں چنانچہ اسبابِ طبعیہ کا (مثل زراعت

وتجارت وطبابت کے) اصلی مقصود فلاح دنیوی بنایا گیا ہے گو بواسطہ معین دین بھی ہو، اور اسبابِ شرعیہ کا (مثل صوم وصلٰوۃ وحج کے) مقصود بالذات فلاح دینی ٹھہرایا گیا گو بالعرض نافع دنیا بھی ہو۔ مگر صرف دُعا ایک ایسی چیز ہے کہ فلاح دین ودنیا دونوں کے لیے بالمساوات ایک مرتبہ میں مشروع وموضوع ہے جس سے بوجہ اس جامعیت کے اس کی وقعت وعظمت ظاہر ہے۔ اس لیے قرآن وحدیث میں نہایت درجہ اس کی ترغیب وفضیلت وتاکید جابجا وارد ہے۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جس شخص کو دُعاء کی توفیق ہوگئی اُس کے لیے قبولیت کے دروازے کھل گئے، ایک روایت میں ہے جنت کے دروازے کھل گئے اور ارشاد فرمایا کہ قضا کو صرف دعا ہٹا دیتی ہے، احتیاط اور تدبیر سے نہیں ٹلتی اور دُعا نازل شدہ بلا کے لیے بھی نافع ہے اور اُس بلا کے لیے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی اور کبھی بَلا نازل ہوتی ہے اور اِدھر سے دُعا پہنچ کر اُس سے ملتی ہے اور دونوں میں قیامت تک کشتی ہوتی رہتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ قبل مصیبت بھی دعا کرتا رہے۔ اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی اور کبھی اس کی وجہ سے مصیبت ٹل جاتی ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قدرومنزلت کی نہیں اور جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دعا قبول فرمالیا کریں، اُس کو چاہیے کہ خوشی اور عیش کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے اور ارشاد فرمایا کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان کا نور ہے۔ دُعا میں خاصیت ہے کہ اس سے تدبیر ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے۔

دعا کرنے سے بندہ کو حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہوتا ہے جس وقت آدمی دعا کرتا ہے اُس وقت غور کرکے ہر شخص دیکھ لے کہ اس کو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق محسوس ہوگا۔ بغیر اس کے خاص تعلق نہیں ہوتا۔

دُعا میں ایک نفع یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے یہاں معذور سمجھا جائے گا کیونکہ جب اس سے سوال ہوگا کہ تم نے حق کا اتباع کیوں نہیں کیا تو یہ کہہ دے گا کہ میں نے طلبِ حق کے لیے بہت سعی کی اور آپ سے بھی عرض کردیا کہ مجھ پر حق واضح ہوجائے، بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وعنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور دعا وزاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے ناتمام اسباب سے یا بلا اسباب بھی اثر مرتب فرمادیتے ہیں۔ (شریعت وطریقت ص ۱۴۸، ۱۴۹)

گر گریزی با اُمید راحتے ہم ازاں جا پیش آید آفتے

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(قرآن وتصوف ص ۴۰)

(جاری ہے)

ایصالِ ثواب

﴿ حافظ مجیب الرحمٰن صاحب اکبری ﴾

☆☆☆

منور سلطان صاحب نے اس مسئلہ پر بھی کافی تفصیل سے اہلِ سنت پر نکتہ چینی کی ہے اس مسئلہ پر منور صاحب کے مرشد مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کاندھلوی نے تو پوری کتاب بنام ''عقیدہ ایصال ثواب قرآنِ کریم کی روشنی میں'' لکھی، انہوں نے اس مسئلہ کے لیے اُصول یہ مقرر کیا کہ ''اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک انسان کا عمل کسی دوسرے کے کام آسکتا ہے یا نہیں'' یہ تمام مسئلہ اسی بنیاد پر موقوف ہے۔ (عقیدہ ایصالِ ثواب ص ۷)

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی پارٹی اس کتاب کو بڑے فخر سے پیش کرتی ہے۔ اگر منور صاحب کے نزدیک بھی اصول یہی ہے جیسا کہ اُن کے پیش کردہ دلائل سے معلوم ہوتا ہے تو دلائل کی روشنی میں ہم دیکھیں کہ یہ اصول ثابت ہے یا غیر ثابت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر اِس اصول کے مطابق ایک کا عمل دوسرے کے کام آنا دلائل سے ثابت ہوگیا تو اصول ثابت ہوا تو مسئلہ خود بخود ثابت ہوجائے گا، اگر ایک کا عمل دوسرے کے کام آنا ثابت نہ ہوا تو مسئلہ بھی ثابت نہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اِس پر کافی دلائل موجود ہیں کہ ''ایک کا عمل دوسرے کے کام آسکتا ہے'' اس کی کئی صورتیں ہیں :

(۱) دُنیاوی حیثیت سے دیکھیں تو کسی نے مفت علاج کا ہسپتال بنایا اس سے دوسروں کا فائدہ ہوا، نہر کھدوائی، مسافر خانہ بنایا، سڑک اور روڈ تعمیر کردیا وغیرہ، اِس کا ہرا یک مشاہدہ کرتا ہے۔

(۲) ایک شخص نے کمایا محنت کی اُس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اس کی کمائی اور محنت سے غرباء مساکین کو فائدہ ہوا، کسی کو بطورِ عطیہ نذرانہ رقم دے دی، بطورِ قرض پیسے دے دیئے، مہمان کو بطورِ مہمانی کھلا دیا، کسی مقروض کا قرضہ ادا کردیا یا اپنے ذمہ لے لیا۔ یہ سب عمل ایک شخص کا ہے محنت ایک نے کی فائدہ دوسرے کو حاصل ہوا۔

(۳) دینی اعتبار سے دیکھیں تو بھی ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ ہوتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مثلاً :

نمبر۱ : حضرت موسیٰ اور خضر علیہم السلام کا واقعہ ہے ایک دیوار گرنے کے قریب تھی حضرت خضر علیہ السلام نے اُس کو درست کردیا اور اُس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی ہے جس کے نیچے خزانہ مدفون ہے اگر گر جاتی تو خزانہ ہاتھ سے نکل جاتا و کان ابوھما صالحا ان کا باپ نیک تھا اس کی نیکی کی بدولت ان کے خزانہ کی حفاظت کا انتظام کیا

گیا۔ نیک ہونا باپ کا عمل ہے لیکن اِس کا فائدہ ان بچوں کو حاصل ہوا۔ (رُوح المعانی ص ۱۳ ج ۱۶)

نمبر۲ : حضرت موسیٰ علیہ السلام دُعا فرماتے اُن کی دُعا سے قوم پر سے عذاب ٹل جاتا۔ (قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر اِس کا ذکر ہے) اسی طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ جلد قبول فرماتے ہیں۔ (مسلم ص ۳۵۱ ج ۲۔ ابوداوٗد ص ۲۱۴ ج ۱) تو جب ایک مسلمان دوسرے کے لیے دنیاوی یا اُخروی فائدہ کی دعا کرے گا تو حدیث نبوی ﷺ کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا تو اس طرح ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ حاصل ہوگا۔ اسی وجہ سے نماز جنازہ اور اس میں دعا کا حکم ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کا فائدہ بھی بیان فرمایا کہ :

''جس مسلمان پر چالیس (موحد) مسلمان جنازہ پڑھیں جو مشرک نہ ہوں اور اس کے حق میں مغفرت کی شفاعت کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائے گا۔'' (مسلم شریف ص ۳۰۸ ج ۱)

''اور سو آدمی نماز جنازہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔'' (مسلم شریف ص ۳۰۸ ج ۱)

''اور مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں تو اس کے لیے جنت واجب ہوجائے گی'' (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۷ ج ۱ بحوالہ ابن ماجہ)

آپ نے مختلف دعاؤں کی تعلیم دی جن میں مسلمان کی مغفرت اور عذاب قبر و عذاب جہنم اور قبر کی آزمائش وغیرہ سے حفاظت کی دعا کی جاتی ہے۔ آپ کی اِن تعلیم کردہ دُعاؤں سے یقیناً مسلمان میت کو فائدہ حاصل ہوگا ورنہ نبی علیہ السلام کا ایک عبث اور بیکار کام کی تعلیم دینا لازم آئے گا تو یہ دُعا زندہ مسلمان کا عمل ہے جس سے فائدہ دوسرے مسلمان کو ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ دُعا کے عمل سے دوسرے کو فائدہ حاصل ہونا منور صاحب بھی مانتے ہیں مولوی حبیب الرحمٰن بھی مانتے ہیں مگر حبیب الرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ اِس میں اور ایصالِ ثواب میں فرق ہے اس لیے اس سے ایصالِ ثواب ثابت نہیں ہوتا۔ کیا فرق ہے؟

اول : یہ کہ دعا جس طرح اچھی ہوتی ہے اس طرح بددعا بھی ہوتی ہے تو اگر دونوں ایک ہیں تو ایصالِ ثواب کی طرح ایصالِ عذاب بھی ہو۔

جواب : دعا جائز ہے بددعا ممنوع ہے اسی طرح ایصالِ ثواب جائز ہے ایصالِ عذاب ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ایصالِ ثواب میں تو ایک عمل کرکے آدمی اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ میرے اس عمل کا ثواب فلاں میت کی روح تک پہنچادے اب اگر گناہ کرکے کہے کہ یا اللہ میرے اس گناہ کا عذاب فلاں کو دے دے تو اللہ تعالیٰ کے ضابطے کے

خلاف ہے لاتزر وازرۃ وزر اُخریٰ کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اُٹھائے گا۔ یا اگر کہے یا اللہ میرے فلاں رشتہ دار میت یا فلاں میت کو عذاب دے تو جس بد دعا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ منع کر دیا ہے اس کو قبول کیوں کریں گے (ہاں بعض مواقع مستثنیٰ بھی ہوسکتے ہیں جو اللہ چاہے)۔

دوم : یہ کہ ایصال ثواب میں تو آدمی ثواب بخشتا ہے جبکہ دعا میں تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا جاتا ہے۔

جواب : کاندھلوی صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ ایصالِ ثواب میں بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کیا جاتا ہے کہ یا اللہ اس عمل کا ثواب فلاں میت کی رُوح تک پہنچا دے۔ آخر کیا ایصال ثواب کوئی مرئی اور ذی جسم چیز ہوتی ہے کہ میت تک زندہ پہنچا آتا ہے؟ وہاں بھی اللہ سے عرض کرنا ہوتا ہے دعا میں بھی۔

سوم : دُعا تو عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کے لیے نہیں کی جاتی ورنہ شرک ہو جاتا ہے۔

جواب : دنیا میں احمق دیکھنے ہوں تو ایسوں کو دیکھا جائے کیا آپ لوگ نماز جنازہ اور اس کی دعا کے منکر ہیں؟ کیا وہ آپ اللہ کے لیے دعا کرتے ہیں یا میت کے لیے؟ آنجناب نماز میں ربنا اغفرلی ولوالدی میں دعا اپنے لیے والدین کے لیے کرتے ہیں یا اللہ کے لیے کرتے ہیں۔

نمبر۳ : اگر کسی میت کے ذمہ قرض ہو تو اس کا جنت میں داخلہ روک لیا جاتا ہے وہ اپنے قرض سے لٹکا ہوتا ہے (مسند احمد ص ۴۷۵ ج ۲ و ص ۵۰۸ ج و ص ۷ ج ۵ ، ۲۹۰ ج ۵۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۵۴۔ مشکوٰۃ ص ۲۵۲ ج ۱)۔ کسی اجنبی یا رشتہ دار نے وہ قرض میت کی طرف سے ادا کر دیا یا قرض خواہ نے معاف کر دیا تو اُس کی قید ختم ہو جاتی ہے جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے اب یہ عمل دوسرے کا ہے جس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

نمبر۴ : نبی کریم ﷺ نے حج فرض ہونے کے باوجود حج ادا نہ کرنے پر سخت وعید فرمائی ہے۔ اگر کسی بوڑھے پر حج فرض ہو لیکن بڑھاپے کی وجہ سے (یا کسی اور وجہ سے) وہ حج نہیں کر سکتا تو نبی کریم ﷺ نے اجازت دی ہے کہ دوسرا آدمی اُس کی طرف سے حج فرض ادا کرے (بخاری ص ۲۰۵ ج ۱۔ مسلم ص ۴۳۱ ج ۱۔ ترمذی ص ۱۴۳ ج ۱۔ ابوداؤد ص ۲۵۲ ج ۱۔ ترمذی ص ۱۴۴ ج ۱۔ بخاری ص ۲۵۰ ج ۱۔ مسند احمد ص ۱۰ ج ۴۔ مسلم ۳۶۲ ج ۱ وغیرہ) اب دوسرے کے حج بدل ادا کرنے سے یہ شخص سخت وعید سے بچ سکتا ہے بری ہو جاتا ہے تو یہ اِس کو دوسرے کے عمل سے فائدہ حاصل ہوا اور اگر بری نہیں ہوتا تو نبی علیہ السلام کا ایک عبث کام کا حکم کرنا لازم آتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی فوت ہو گیا اور اُس پر حج فرض تھا تو بھی نبی کریم ﷺ نے ولی کو اُس کی طرف سے حج کرنے کا حکم فرمایا ہے (ابن ماجہ ص ۔ شرح الصدور قلمی ص ۱۰۶ بحوالہ مسند بزار و طبرانی)۔ احناف شوافع اور حنابلہ سب زندہ کی طرف سے حج بدل جائز کہتے ہیں (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ طبع مکہ مکرمہ ص ۷۰۶ تا ۷۰۱ ج ۱۔ عالمگیری ص ۲۶۳ ج ۱۔ ہدایہ ج ۱ ص ۲۷۶۔ نووی شرح مسلم ص ۴۱۳ ج ۱۔ درمختار

ص۱۹۲) البتہ امام مالکؒ زندہ کی طرف سے حج بدل کے قائل نہیں البتہ حج نفل باوجود کراہت جائز کہتے ہیں (کتاب الفقہ ص۷۰۶ ج۱) جبکہ میت کی طرف سے حج فرض ونفل سب کے نزدیک جائز ہے (کتاب الفقہ)۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں : ''ہمارے نزدیک میت کی طرف سے ''حج فرض'' کرنا صحیح ہے البتہ ''حج نفل'' تب صحیح ہے جب وصیت کر جائے (شرح مسلم ص۳۲۴ ج۱) اور امام شافعیؒ اور جمہور علماء کے نزدیک میت کی طرف سے حج فرض اور نذر جائز ہے چاہے وصیت کی ہو یا نہ (ایضاً ص۴۱۳ ج۱)۔ بہرصورت حج بدل کا زندہ اور میت کو ثواب ہوگا تب ہی تو اجازت ہوئی ورنہ فعل عبث ہوگا۔

نمبر۵ : اگر کسی آدمی نے حج یا صدقہ وغیرہ کی نذر مانی اور پوری نہ کر سکا فوت ہوگیا تو اگر کسی وارث نے وہ نذر پوری کی تو نذر رواجب پوری نہ کرنے کے جرم سے بری ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے نذرِ حج اور نذرِ روزہ اور صدقہ کی نذر پوری کرنے کا حکم فرمایا ہے (بخاری ص۲۵۰ ج۱۔ ابوداؤد ص۴۶۹ ج۲ و ص۴۶۸۔ ترمذی ص۲۲۲ ج۱۔ مسلم ص۴۵ ج۲۔ نسائی وغیرہ)۔ نذر پوری کرنے کو منور صاحب اور حبیب الرحمٰن کاندھلوی صاحب بھی مانتے ہیں مگر نذر پوری کرنے سے دوسرے کے فعل سے بری ہونے کا فائدہ انہیں کیوں سمجھ نہیں آتا؟ ظاہر ہے بری ہونے کا فائدہ بھی ہوگا اور ثواب بھی ملے گا تو یہ بھی دوسرے کے عمل سے ہوا۔

نمبر۶ : اگر کسی میت نے صدقہ یا حج یا قربانی وغیرہ کی وصیت کی تھی تو ثلث مال سے وصیت پوری ہو سکے تو ورثاء کو پوری کرنا واجب ہوگی اگر اِس سے زائد مال کی ضرورت ہو تو پوری کرنا واجب نہیں مستحسن ہے اور بہرصورت میت کو یقیناً اِس کا ثواب ملے گا۔ نبی کریم ﷺ نے وصیت پوری کرنے کا حکم فرمایا ہے فرمایا :

> ''اگر (میت) مسلمان ہو اور تم اس کی طرف سے (وصیت کے مطابق) غلام آزاد کرو یا صدقہ کرو یا حج کرو تو اُس تک ثواب پہنچے گا'' (ابوداؤد ص۳۹۹ ج۲۔ مسند احمد ص۱۸۲ ج۲۔ مشکوٰۃ ص۲۶۶ ج۱۔ شرح الصدور بحوالہ ابوالشیخ وابن حبان)

نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ (ابوداؤد ص۳۸۵ ج۲۔ ترمذی ص۲۱۶ ج۱۔ مسند احمد ص۱۰۷ و ۱۵۰ ج۱) اس حدیث پر حبیب الرحمٰن صاحب نے کافی جرح کی ہے کہ اس میں کوفی شیعہ راوی ہیں اس حدیث کی سند میں واقعی کوفیین ہیں لیکن اس وجہ سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں رہتے تھے تو ان کو یہ عمل کرتے ہوئے کوفہ والے ہی دیکھ سکتے تھے مختصراً سند پر بحث پیشِ خدمت ہے :

(i) عثمان بن ابی شیبہ واسود بن عامر وابوبکر بن ابی شیبہ ومحمد بن عبید المحاربی الکوفی یہ حضرات شریک قاضی سے روایت کرنے والے ہیں۔ یہ سب حضرات ثقہ اور صدوق ہیں (تقریب التہذیب)۔

(ii) شریک بن عبداللہ النخعی الکوفی ابوعبداللہ الحافظ الصادق احد الائمہ ہے امام یحیٰی بن معین سے روایت ہے کہ

فرمایا صدوق اور ثقہ ہے مگر جب کسی اور راوی کے خلاف روایت ہو تو غیر ہمیں زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کوفیوں کی حدیث کے سب سے بڑھ کر (سفیان سے روایت کرنے والے راویوں میں سے) اعلم ہیں، امام احمدؒ فرماتے ہیں ابواسحٰق سے روایت میں زہیر سے شریک اثبت ہیں۔ امام یحییٰ فرماتے ہیں ابواسحٰق سے روایت میں اسرائیل سے ہمیں زیادہ پسند ہیں۔ ابوحاتم فرماتے ہیں صدوق ہے ابوالاحوص سے زیادہ مجھے پسند ہے ہاں اس کی کچھ غلطیاں ہیں۔ ابن ابی حاتم نے امام ابوزرعہ سے پوچھا تو فرمایا اس سے حجت لی جائے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں شریک عاقل صدوق اور محدث ہے شرک اور بدعت کرنے والوں پر سخت تھا۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں بہت بڑا علم کا خزانہ تھا۔ امام نسائیؒ نے فرمایا لاباس بہ ہے۔ امام مسلمؒ نے متابعت میں اس کی روایت لی ہے (میزان الاعتدال ص ۲۶۹ تا ۲۷۴ ج ۲)۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں صدوق ہے غلطی بہت کرتا ہے عادل فاضل عابد اور بدعتیوں پر سخت تھا جب کوفہ میں قاضی بنا تو حافظہ میں کمزوری آگئی (تقریب) بہرحال شیعہ نہیں ہے امام ذہبیؒ نے شیعیت کا الزام رد کیا ہے اور جو عادل ہے وہ جھوٹ نہیں بولتا جو بدعتیوں پر سخت ہے وہ خود شیعہ اور بدعتی کہاں سے ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف فیہ راوی ہے اور مختلف فیہ کی روایت حسن ہوتی ہے۔

(iii) ابوالحسناء مجہول راوی ہے

(iv) حکم بن عتیبہ بن نحاس کوفی امام بخاریؒ فرماتے ہیں حکم بن عتیبہ ایک ہی راوی ہیں مشہور امام ہیں جو حکم بن عتیبہ مجہول ہے وہ تو کوفہ کا قاضی تھا اُس نے تو کوئی حدیث روایت ہی نہیں کی۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں امام بخاریؒ کا فیصلہ درست ہے (لسان المیزان ص ۳۳۶ ج ۲) یہ ثقہ ثبت اور فقیہ ہے ہاں بسا اوقات تدلیس کرتا ہے (تقریب ص ۲۳۲ ج ۱)۔

(v) حنش بن معتمر ابوالمعتمر کوفی صدوق ہے لہ اوھام (تقریب ص ۲۴۹) ارسال کرتا ہے لیکن یہاں تو وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ دو مینڈھے ذبح کر رہے تھے تو روایت میں صرف ایک راوی ابوالحسناء ہے جس سے روایت میں ضعف آیا ہے لیکن من گھڑت اور موضوع روایت نہیں ہے اس (مسئلہ کہ میت کی وصیت پوری کی جائے) میں تو اُوپر کی روایات اس کی مؤید ہیں لہٰذا ضعف قابلِ التفات نہیں۔ فقہ حنفی میں ہے کہ میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو بہرصورت اس کی طرف سے قربانی جائز ہے البتہ وصیت کی صورت میں اس کا گوشت نہیں کھا سکتا سب صدقہ کرے گا اور وصیت نہ کی ہو تو گوشت وغیرہ کا حکم اپنی قربانی جیسا ہے (عالمگیری ص ۲۷۹ ج ۴۔ ردالمحتار ص ۲۲۹ ج ۵۔ قاضی خان ج ۴ ص ۳۳۲)۔

نمبر ۷ : اگر کسی نے وصیت نہ بھی کی ہو پھر بھی اگر کوئی میت کے ثواب کے لیے صدقہ کرے تو نبی کریم ﷺ

نے اِس کی بھی اجازت دی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے (جس کو حبیب الرحمٰن سب سے بہترین حدیث کہتے ہیں) کہ ایک آدمی نے اپنی والدہ کے ثواب کے لیے صدقہ کرنے سے متعلق نبی علیہ السلام سے پوچھا اور لفظ کہے ''ولم توص'' کہ والدہ نے وصیت نہیں کی ہے۔ آپ نے اس کی اجازت دی (بخاری ص ۳۸۶ ج ۱۔ مؤطا ص ۶۴۸۔ ابن ماجہ ص ۱۹۵ ج ۲)۔ ایک آدمی نے اپنے والد سے متعلق پوچھا اور لفظ کہے ''ولم یوص'' کہ اس نے وصیت نہیں کی تو کیا صدقہ کرلوں تو آپ ﷺ نے اجازت دی (ابن ماجہ ص ۱۹۰ ج ۲۔ مسند احمد ص ۳۷۱ ج ۲۔ مسلم باب وصول ثواب الصدقات الی المیت)۔

میت کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کرنے اور اس کا ثواب میت تک پہنچنے کے سب علماء قائل ہیں اس پر اجماع ہے البتہ معتزلہ منکر ہیں ملاحظہ ہو ترمذی ص ۱۱۳ ج ۱۔ شرح مسلم للنووی ص ۳۲۴ ج ۱۔ نباب التاویل ص ۲۱۳ ج ۴۔ مظاہر حق ص ۱۵۴ ج ۲۔ شرح العقائد ص ۱۲۲۔ عقائد الاسلام ص ۱۹۴۔ ردالمحتار ص ۶۶۶ ج ۱۔ تو صدقہ زندہ نے کیا ثواب میّت کو حاصل ہوا تو یہ فائدہ بھی دوسرے کے عمل سے ہوا۔

نمبر ۸ : خود نبی کریم ﷺ نے اپنی اُمت کی طرف سے قربانی فرمائی جس کو بہت سے صحابہ کرامؓ روایت کرنے والے ہیں :

(i) حضرت عائشہؓ (ابوداؤد ص ۳۸۶ ج ۲۔ مسند احمد ص ۷۸ ج ۶۔ طحاوی ص ۳۰۲ ج ۲۔ مشکوٰۃ ص ۱۲۷ ج ۱ بحوالہ مسلم۔

(ii) حضرت جابرؓ (ابوداؤد ص ۳۸۶ ج ۲۔ ترمذی ص ۲۱۹ ج ۱۔ مسند احمد ص ۳۵۶ ج ۳۔ ابن ماجہ ص ۲۲۵ ج ۲۔ کنز العمال علے المسند ص ۳۷۲ ج ۲ بحوالہ مستدرک حاکم دار قطنی ص ۳۳۹ ج ۴۔ طحاوی ص ۳۰۲ ج ۲۔ دارمی ص ۱۰۳ ج ۲۔

(iii) حضرت ابورافعؓ (مسند احمد ص ۳۹۱ ج ۶۔ طحاوی ص ۳۰۲ ج ۲۔ کنز العمال ص ۸۹ ج ۵)۔

(iv) حضرت ابوسعید خدریؓ (طحاوی ص ۳۰۲ ج ۲۔ دار قطنی ص ۳۳۸ ج ۴)۔

(v) حضرت ابوہریرہؓ وعائشہؓ (مسند احمد ص ۲۲۵ ج ۶۔ طحاوی ص ۳۰۲ ج ۲۔ ابن ماجہ ص ۲۲۵ ج ۲۔

(vi) حضرت حذیفہؓ بن اُسید (عینی شرح ہدایہ ص ۱۶۱۳ ج ۱ بحوالہ حاکمؒ)۔

(vii) حضرت ابوطلحہؓ (ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابویعلی عینی ص ۱۶۱۳ ج ۱، کنز العمال ص ۸۹ ج ۵، والدرایہ ص ۶۸۱ ج ۲)

(viii) حضرت انسؓ (ابن ابی شیبہؒ)۔

(ix) حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص (کنز العمال ص ۴۲ ج ۵ بحوالہ حاکم)۔

اور اُمت عام ہے ہر فرد کو شامل ہے خود حبیب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں :

''اس روایت میں کسی خاص فرد یا مُردوں کی جانب سے قربانی کا ذکر نہیں بلکہ اُمت کی جانب سے قربانی کا ذکر ہے جو عام ہے''۔

جب عام ہے زندہ مردہ سب کو شامل ہے تو اِس سے زندہ اور مردہ سب کو ایصالِ ثواب کرنا ثابت ہوتا ہے اور فقہی کتب میں بھی تحریر ہے کہ زندہ کو بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے اور مردہ کو بھی البتہ مردہ زندہ سے زیادہ محتاج ہے۔ (ردالمحتار ص ۲۵۶ ج ۲۔ کفایت المفتی ص ۱۲۶ ج ۴۔ کتاب الروح ص ۱۷۷۔ ردالمحتار ص ۶۶۶ ج ۱)۔

اس قربانی والی روایت سے ایصالِ ثواب پر استدلال کرتے ہوئے آیت **لیس للانسان الا ماسعٰی** اور اس روایت میں تطبیق دیتے ہوئے علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں :

> ''یہ روایت بہت سے صحابہؓ سے مروی ہے اور اس کے مأخذ پھیل چکے ہیں **فلایبعد ان یکون مشهورا یجوز تقیید الکتاب به بمالم یجعله صاحبه لغیره**'' تو بعید نہیں کہ یہ روایت حدیث مشہور کی تعریف میں داخل ہو جس کے ذریعہ کتاب اللہ کی آیت **لیس للا نسان الا ما سعٰی** کو مقید کرنا جائز ہے کہ آیت میں وہ عمل مراد ہے جو کرنے والا دوسرے کے لیے نہ ٹھہرائے (اور غیر کے لیے ٹھہرائے تو اس کا ثواب پہنچتا ہے)'' (ردالمحتار ص ۲۵۷ ج ۲)۔

نمبر۹ : نبی کریم ﷺ نے مُردوں کے پاس سورۂ یٰسین پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **اقرء و علٰے موتا کم سُورۃ یٰسٓ** ''اپنے مُردوں پر سورہ یٰسین پڑھا کرو (ابوداؤد ص ۴۴۵ ج ۲۔ شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ واحمد ونسائی وغیرہم)۔ مُردے عام ہیں فی الحال ہوں یا فی المآل یعنی چاہے وہ ہوں جن پر حالتِ نزع طاری ہو یا وہ جو قبرستان میں دفن ہو چکے۔ علامہ ابن عابدینؒ ردالمحتار ص ۶۶۶ ج ۲ میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر سورۂ یٰسین پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو اللہ ان کا عذاب ہلکا کر دے گا اور اس کو مُردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں حاصل ہوں گی۔ اس لیے فقہ حنفی میں قبرستان میں سورۂ یٰسین پڑھنے کا حکم موجود ہے۔ (درمختار ص ۱۳۵۔ ردالمحتار ص ۶۶۶ ج ۲۔ بحرالرائق ص ۱۹۶ ج ۲۔ نورالایضاح مع المراقی ص ۱۵۲) تو قرآن مجید پڑھنے میں چونکہ میت کو فائدہ ہے اس لیے آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے ورنہ فعل عبث کا حکم کرنا لازم آتا ہے تو یہ فعل ایک کا ہے اور فائدہ دوسرے کو حاصل ہو رہا ہے۔

ان مذکورہ نمبرات میں جتنی احادیث مذکورہ ہوئیں وہ سب اس بارے میں واضح دلیل ہیں کہ ''ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے''۔ جب یہ اصول روایات سے ثابت ہو گیا تو ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب جائز بلکہ مستحب ہے اور اس سے میت کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے ایصالِ ثواب کے ثبوت والی روایات کو متواتر معناً قرار دیا ہے۔(عقائد اسلام۔ردالمحتار)

منور صاحب کے اشکالات :

منور صاحب کو اس عقیدے پر کئی اشکالات ہیں :

☆ پہلا اشکال : ''یہ کہ یہ عقیدہ قرآن مجید کی بہت سی آیات کے خلاف ہے جن میں ذکر ہے کہ لوگوں کو اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا وغیرہ۔''

جواب : منور صاحب نے اس بارے میں جتنی آیات تحریر کیں ان میں سے بہت سی آیات کا تعلق کفار اور یہود سے ہے اور ظاہر ہے کہ ان کو آخرت میں سزا ملنی ہے اور جب سزا جرم پر ہوتی ہے تو دوسرے کے جرم پر نہیں اپنے جرم پر سزا ملتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اُن کو سزا دیتے ہوئے فرمائیں گے۔**وما تجزون الا ما کنتم تعملون الیوم تجزون ما کنتم تعملون انما تجزون ما کنتم تعملون هل تجزون الا ما کنتم تعملون هل یجزون الا ما کانوا یعملون** اور یہود کہتے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اس لیے ہمیں اُن کی برکت سے کوئی سزا نہ ملے گی جواب دیا گیا۔**لها ما کسبت ولکم ما کسبتم** اور نبی علیہ السلام نے یہود کو فرمایا **لنا اعمالنا ولکم اعمالکم** تو جب ان آیات کا تعلق مسلمانوں سے ہے ہی نہیں تو جواب دینے کی مزید ضرورت نہیں۔

دوسری وہ قسم کی آیات ہیں جن میں ضابطہ بتایا گیا کہ جس نے نیک عمل کیا اُس کو اُس کا فائدہ ہوگا بد عمل کیا تو اُسی کو نقصان ہوگا تو اِن آیات کا تعلق بھی ایصالِ ثواب سے نہیں۔ایک تو اس وجہ سے کہ ان میں ذکر ہے کہ اپنے نیک عمل کا تمہیں فائدہ ہوگا رہی یہ بات کہ تمہارے نیک عمل سے دوسرے کو فائدہ بھی ہوگا تو اِن آیات میں نفی واثبات کسی صورت میں اس کا ذکر نہیں جبکہ دوسری آیت میں ہے **والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم** اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک اولاد کی وجہ سے والدین کا اور نیک والدین کی وجہ سے اولاد کا رُتبہ بلند ہو کہ دونوں کو اکٹھا جنت میں ٹھہرایا جائے گا اگرچہ عمل میں کمی ہوگی اسی طرح حافظِ قرآن اور شہید اور عالمِ دین اپنے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں شفاعت کرکے جہنم سے بچا کر جنت میں لے جانے کا سبب ہوں گے تو ان کے عمل سے اُن کے والدین اور اقرباء کو یہ فائدہ حاصل ہوگا اسی طرح نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے آپ کی اُمت کو فائدہ حاصل ہوگا تو عمل نبی علیہ السلام کا اور فائدہ آپ کی اُمت کو ہوگا یہ دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوا۔جس طرح ان آیات کی وجہ سے شفاعت کا انکار گمراہی ہے اسی طرح ان آیات کی وجہ سے ایصالِ ثواب کا انکار بھی گمراہی ہے۔

دوم : خود منور صاحب بھی ایک کی دعا سے دوسرے مسلمان کا فائدہ ہونا مانتے ہیں اسی طرح کسی بھی نیک عمل، صدقہ، حج وغیرہ کی وصیت کرنے اور اُس کو پورا کرنے کو مانتے ہیں جس سے میت کو ثواب ہوگا حالانکہ میت نے زبان ہلانے سے زیادہ کچھ عمل نہیں کیا تو پھر تو اِن آیات کو عام ٹھہرا کر دعا اور وصیت کے بھی سرے سے منکر ہو جائیں جب اِن میں دوسرے کے عمل کا میت یا زندہ کو فائدہ ہونا مانتے ہیں تو ایصالِ ثواب میں بھی مانئیں (ورنہ جو جواب آپ کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا)۔خود لکھتے ہیں "مومنوں کی طرف سے کی گئی دعائے مغفرت مومن مرحومین کو فائدہ دیتی ہے جیسا کہ نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کی جاتی ہے اور نماز میں پڑھے جانے والے تشہد کے کلمات "**السلام علینا و علی عباداللّٰہ الصالحین**" کا فائدہ بھی مردِ صالح مومن کو پہنچتا ہے" (اسلام یا مسلک پرستی ص ۶۰)

ظاہر ہے کہ اِن عبارات میں "فائدہ" سے مراد ثواب ہوگا عذاب کی کمی یا ختم ہو جانا یا درجات کی بلندی تو اس میں میت کی ذرا سی سعی کا بھی دخل نہیں جس کا اُس کو ثواب اور فائدہ ہو اور اس فائدہ کو منور صاحب محض ایک حدیث کی وجہ سے مان رہے ہیں جبکہ مطلق ایصالِ ثواب کے ثبوت کے لیے بہت سی احادیث کا انکار کر رہے ہیں اور عجیب بات یہ بھی ہے کہ منور صاحب یہ بھی مانتے ہیں کہ "مومن والدین کو اپنی اُس مومن اولاد کے نیک اعمال کا بھی ثواب ملے گا جسے انہوں نے ایمان خالص اور اعمال صالحہ کی راہ پر ڈالا اور اِن کی اچھی تربیت کی (لیکن یہی اولاد ایصالِ ثواب کرے تو ثواب نہ ملے گا سبحان اللہ) اور "جس مومن کی دعوت و تبلیغ سے جو بھی راہِ ہدایت پر آ کر ایمان خالص اختیار کر کے اعمال صالحہ کرے گا تو اُس کے اجر میں کمی کیے بغیر اس کے اعمال کا ثواب اس مومن کو بھی ملے گا جس نے اسے اس راہ پر لگایا تھا"۔(اسلام یا مسلک پرستی ص ۶۰) آخر کیوں؟ یہ حدیث قرآن مجید کی مذکورہ آیات کثیرہ کے کیوں خلاف نہیں؟ مبلغ کو اس کی تبلیغ ہی پر ثواب ملتا دوسرے کے اعمال کا ثواب کیوں ملتا ہے؟ والدین کو اولاد کی تربیت اور نیک راہ پر لانے کا ہی ثواب ملتا اولاد کے اعمال کا ثواب کیوں ملتا ہے؟ یہ غیر کا عمل نہیں ہے؟ ان آیات کے خلاف نہیں ہے؟ اگر اس قسمِ حدیث سے آنجناب اُن آیات میں تخصیص کرتے ہیں تو ایصالِ ثواب کے مضمون کی احادیث کثیرہ کے ذریعہ آیات مبارکہ کی تخصیص و تقیید کا حق ہمیں کیوں نہیں؟

☆ دوسرا اشکال : "یہ کہ اس عقیدے کے ذریعہ حفاظ اور قراء و علماء کا مقصود دین کا کھانے کمانے کا ذریعہ بنانا ہے تا کہ پکوان پکیں، مٹھائیاں تقسیم ہوں، ہدیئے ملیں، کپڑوں اور پیسوں کے نذرانے حاصل ہوں وغیرہ"۔(اسلام یا مسلک پرستی ص ۵۳)

جواب : اہلِ حق علماء حفاظ و قراء نے کب کہا ہے کہ خود وارث ولی اور اقارب علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے طور پر قرآن مجید پڑھ کر یا درود شریف یا کلمہ یا نوافل وغیرہ ادا کر کے ایصالِ ثواب نہیں کر سکتے؟ کس نے کہا ہے کہ ولی و رشتہ دار

ایصالِ ثواب کے لیے جب تک دیگ نہ پکائے، پکوان نہ پکیں، مٹھائیاں تقسیم نہ ہوں تو ایصالِ ثواب نہیں ہوتا؟ کس نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ایصالِ ثواب کے لیے اللہ کے گھر یا مدرسہ کے طلباء یا کسی دینی ادارے پر پیسے خرچ کرے یا مساکین بیوہ گان پر خرچ کرے یا مقروض کا قرض ادا کردے تو ایصالِ ثواب نہیں ہوتا؟

علماء تو کہتے ہیں کہ صدقہ خفیہ بہتر ہے اور بہت سے اہلِ مدارس کسی کے فوت ہونے پر ایصالِ ثواب کرتے ہیں لیکن نہ کھانا لیتے ہیں نہ رقم۔ اگر جناب کو ان وجوہات کی وجہ سے ایصالِ ثواب سے چڑھ ہے تو وہ صورتیں تو مان جایئے جن میں یہ قیود نہیں ہوتیں جناب نے راہِ سنت وغیرہ پڑھی ہے مخصوص شکلوں کو جو لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کردی ہیں علماء دیوبند بدعت کہتے ہیں اِن کا سب مسلک پرستوں کو طعنہ دینا ایسے ہے جیسے کافر سب مسلمانوں کو طعنہ دے کہ مسلمان شرابی زانی، چور ڈاکو، لٹیرے، جھوٹے، دھوکہ باز، وغیرہ ہوتے ہیں۔

☆ تیسرا اشکال : ''جو شخص کوئی بھی عمل کرتا ہے تو اُس کا ثواب تو اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا کہ جس کو چاہے تقسیم کرتا پھرے'' (اسلام یا مسلک پرستی ص ۶۲)

جواب : جناب خود بھی ذرا سوچیں کہ اگر میت کی وصیت یا نذر پوری کرنے سے ثواب پہنچ جاتا ہے جب کہ نذر یا وصیت پوری کرنے والے کے ہاتھ میں ثواب نہیں ہوتا تو ایصالِ ثواب میں بھی پہنچ جاتا ہے اگرچہ ہاتھ میں نہیں ہوتا پہلے ثبوت کے ساتھ گزر چکا ہے کہ بغیر وصیت کے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اموات کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کیا، آخر وہ کس طرح اُن تک پہنچا جب کہ ثواب اُن کے بھی ہاتھ میں نہ تھا؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نیت کو جانتے ہیں جب کسی نے ایصالِ ثواب کی نیت کرلی تو اللہ تعالیٰ ہی پہنچانے والے ہیں اور وہی پہنچائیں گے نبی علیہ السلام نے جب اُمت کی طرف سے قربانی کی تو فرمایا اللّٰھم ھذا عن اُمتی اے اللہ یہ میری اُمت کی طرف سے ہے تو ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی عرض کرنا پڑتا ہے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں تک پہنچادے۔

☆ چوتھا اشکال : ''ایصالِ ثواب کرنے والے کو تو اس کا بھی یقین نہیں ہوتا کہ آیا یہ عمل قبول ہوا بھی یا نہیں اور اس کا ثواب ملا بھی یا نہیں؟'' (اسلام یا مسلک پرستی ص ۶۲)

جواب : ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھے گا تو اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا اُمید ہی نہ رکھے گا تو ذرا بھی ثواب نہ ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انا عند ظن عبدی بی بندہ کے گمان کے مطابق میں کرتا ہوں ورنہ کیا یہی سوچ کر کہ معلوم نہیں دعا قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں اپنے لیے اور مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنا چھوڑ دے؟ آپ کی مرضی اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھیں یا بدظنی کریں ''ان بعض الظن اثم کبیر''۔

☆ پانچواں اشکال : جو شخص ایصالِ ثواب کرتا ہے کیا خود اس کو ثواب کی ضرورت نہیں ہے جو

دوسرے کو ثواب بخش دیتا ہے؟

جواب : ایصالِ ثواب کرنے والے کو خود بھی ثواب ملتا ہے اور جس کو ایصالِ ثواب کرتا ہے اُس کو بھی ثواب ملتا ہے۔ کسی بھی مسلمان کے ساتھ (زندہ ہو یا مردہ) خیر خواہی اور ہمدردی کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ ہمدردی قرار دیا ''اے انسان میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے نہ کھلایا تھا، میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے نہ دیا تھا، میں بیمار ہوا تھا تو نے مزاج پرسی نہ کی تھی۔'' (الحدیث)

☆ چھٹا اشکال : ''ایک شخص نے ساری زندگی نیکی نہ کی گناہوں میں پڑا رہا تو کیا ایصالِ ثواب اس کے گناہِ عظیم کو ختم کر سکتا ہے؟''

جواب : ایصالِ ثواب کی حیثیت ایک نفلی عمل جیسی ہے وہ فرائض کے قائمقام تو نہیں ہو سکتا لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ معمولی عمل سے بھی مغفرت فرما لیتے ہیں۔ گناہ گار نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا بخشش ہو گئی، راہ سے تکلیف دہ درخت کاٹ دیا جنت مل گئی تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایصالِ ثواب کے ذریعہ مہربانی فرمالیں۔ اور یہ اعتراض تو آپ کی تسلیم کردہ صورتوں پر بھی ہوتا ہے کہ کیا جس شخص نے زندگی بھر گناہ کیے کیا دعاء مغفرت اُس کے گناہ کو ختم کر سکتی ہے؟ کیا نماز جنازہ اس کے گناہ ختم کر سکتی ہے؟ پھر یہ اشکال تو بہت سی احادیث پر بھی ہوگا نماز پر جنت کا وعدہ ہے (ابوداؤد۔ ابن ماجہ) تو کیا جس نے ساری زندگی گناہ کیے فرائض میں صرف نماز پڑھی تو نماز اس کے گناہ ختم کر دے گی؟ نماز جنازہ کی تین صفوں سے جنت واجب ہونے کی خوشخبری ہے تو کیا نماز جنازہ سے گناہ ختم ہو گئے؟ وغیرہ۔ ایک جگہ منور صاحب عجیب مخمصہ کا شکار ہیں ایک طرف وصیت پوری کرنے کو مانتے ہیں دوسری طرف کہتے ہیں :

> ''اگر ایصالِ ثواب ہونے لگتا تو پھر تو شریعت کے ساتھ بڑا مذاق ہوتا ساری زندگی معصیت میں گزاری جاتی اور مرتے وقت وصیت کر دی جاتی کہ میرے لیے اتنے قرآن پڑھے جائیں آیت کریمہ کا وظیفہ ہو اتنے نوافل ادا کیے جائیں اتنا صدقہ فلاں کو اور اتنا فلاں کو دیا جائے''۔ (اسلام یا مسلک پرستی ص ۶۱)

جناب! جب وصیت کو مانتے ہیں تو خاص صورت کی وصیت سے گھبراتے کیوں ہیں؟ کیا مذکورہ وصیت کر جائے تو گناہ ہے اور یہی اعتراض دعا پر بھی ہوتا ہے کہ ساری زندگی معصیت میں گزاری جائے پھر مرنے کے بعد مغفرت کی دعا کر لی جائے بس سارا قصہ ہی ختم؟ (باقی صفحہ ۱۲)

فریضہ حج کو آسان اور سستا کرنے کی ضرورت

﴿ جناب خلیل الرحمٰن صاحب ﴾

ہر سال ہمارے مذہبی امور کے وزیر ایک سال کے لیے حج پالیسی کا اعلان کرتے ہیں مگر اس سال ایک نہیں دو نہیں پورے پانچ سال کی حج پالیسی کا اعلان کر دیا گیا ہے حالانکہ ہمارا سابقہ ریکارڈ یہی بتاتا ہے کہ ہماری کوئی بھی قومی اسمبلی آج تک پانچ سال پورے نہیں کر سکی شاید پاکستان کی جمہوری سیاست میں پانچ کا ہندسہ منحوس رہا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس 5 سالہ حج پالیسی کو کابینہ نے بھی منظور کر لیا حالانکہ اس کابینہ کی اکثریت نے تو حج ہی نہیں کیا تو بھلا کیا ردِ عمل دکھا سکتی تھی؟ یہ تو کرشمہ ہوتا کہ ہم ایک غیر پڑھے لکھے طالب علم سے میٹرک کا پرچہ بنواتے۔

اب آیئے اس حج پالیسی کی خوبیوں پر سب سے پہلے تو وزیر مذہبی اُمور کو صرف 20 فیصد اضافہ کرائے میں اضافہ کی مبارکباد دیتے ہیں جو انہوں نے پی آئی اے کے 25 فیصد اضافے کو رد کر کے صرف 20 فیصد اضافہ منظور کیا۔ اس 5 فیصد منظور نہ کرنے پر پی آئی اے کو صرف 14 کروڑ کا نقصان ہوگا۔ یہ نہیں کہتے کہ 70 کروڑ کا اضافی فائدہ ہونے کے بجائے اب اس کو صرف 56 کروڑ کا فائدہ ہوگا۔

قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اگر سعودی عرب کے لیے پی آئی اے کی اجارہ داری ختم کر کے دیگر نجی ائیر لائنز کو موقع دیا جائے تو وہ پرانے کرائے 24000 روپے سے کم کر کے 16000 روپے میں لے جانے کے لیے تیار ہیں لیکن اس سال پی آئی اے 30600 روپے وصول کرے گی۔ دوسری اہم بات رہائش جو گزشتہ سال آٹھ سو میٹر تک 1800 ریال وصول کی جاتی تھی اس سال ماشاءاللہ صرف 500 ریال زیادہ یعنی 2300 ریال وصول کی جائے گی۔ اور ڈیڑھ کلو میٹر تک 1200 ریال کے بدلے صرف 1650 ریال وصول کی جائے گی۔ قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اگر آپ خود اسی طرح دس دس افراد کے گروپ کی شکل میں مکہ ٹھہریں تو یہی دس افراد کا کمرہ 8000 ریال سے 10,000 ریال میں اچھے خاصے نزدیکی ہوٹل میں مل جائے گی یعنی فی کس 800 سے 1000 ریال پڑے گا جبکہ ہمارے مذہبی امور کے افسران پرانی پرانی بلڈنگوں کو چھانٹ چھانٹ کر بک کرتے ہیں جو دیگر ممالک کی وزارت حج مسترد کر دیتی ہیں۔

اس سال 18 سال سے کم عمر افراد کو حج کرنے کی ممانعت ہے اور وہ افراد جو پانچ سال سے حج کر رہے ہیں آئندہ پانچ سال حج نہیں کر سکیں گے گویا وہ گھومنے پھرنے یورپ، امریکہ، فار ایسٹ تو سال میں دس مرتبہ جا سکتے ہیں مگر حج نہیں ادا کر سکیں گے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے جب کوٹہ ایک لاکھ چالیس ہزار کا ہے اگر اضافی درخواستیں زیادہ وصول

ہوئیں تو قرعہ اندازی ہوگی۔

ہم مسلمانوں کا خیال ہے کہ جس کا بلاوا وہاں سے آتا ہے وہی جا سکتا ہے مگر جب وہ درخواست ہی دینے کے لیے نااہل ہو تو پھر یہ بلاوے والا عقیدہ تو دم توڑ دے گا۔ پانچ سال تک تو یہ سلسلہ چلے گا بڑے بچوں کا کیا قصور ہے ہم ان کو حج جیسے فریضے سے دور رکھ رہے ہیں اسلام میں غیر اسلامی باتیں فروغ دے رہے ہیں۔ پہلے وزارتِ مذہبی اُمور حج اور عمرہ کمیٹیاں بناتی تھیں ان سے مشاورت کر کے حج پالیسی بنتی تھی مگر ہماری بیوروکریسی نے جو عوام کی آراء سے پہلے ہی بیزار ہوتی ہے بڑی خوبصورتی سے وزیر مذہبی امور کو عوام سے دور کر کے یہ مہنگی حج پالیسی بنا کر تھما دی۔ وزیر مذہبی اُمور نے بھی بغیر مشاورت کیے کابینہ میں پیش کر دی۔ یار لوگوں نے سمجھا ہوگا کہ دینی معاملہ ہے اس پر بحث غیر شرعی سمجھی جائے گی لہٰذا جلدی سے منظور منظور اور پھر منظور ہے کہہ کر جان چھڑائی۔

آج تک یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ دنیا میں بحری سفر اب بہت بڑھ چکا ہے وہ سستا بھی ہوتا ہے اور آسان بھی، ہم نے کیوں اس کو ختم کر دیا ہے اور کرایہ وغیرہ ملا کر کراچی اور کوئٹہ کے لیے 1,00,215 روپے ہے مگر بقایا جگہوں کے لیے 1,05,362 روپے ہے۔ عوام کو سمجھایا جائے اگر کوئی سکھر، حیدر آباد اور ملتان جو کراچی، کوئٹہ سے کم فاصلے پر واقع ہیں ان سے کس خوشی میں ۵ ہزار ایک سو سینتالیس (5147) روپے زیادہ وصول کیے جا رہے ہیں۔ بے شک لاہور، فیصل آباد اور پشاور کا فاصلہ زیادہ ہے ان سے 5147 روپے وصول کرنے کا جواز ہو سکتا ہے۔ ملتان، فیصل آباد، کوئٹہ اور سکھر سے پروازیں ڈائریکٹ نہ چلانے کا کیا جواز ہے جبکہ ان تمام ہوائی اڈوں سے بڑے جہاز روزمرہ کی پروازوں کے لیے استعمال ہو رہی ہیں۔ بلا وجہ انہیں کراچی یا لاہور لا کر اضافی تکلیف کیوں دی جا رہی ہے جبکہ وہاں حاجی کیمپ کی سہولتیں بھی موجود ہیں۔

یہ بات بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ چھ چھ ماہ قبل ہم حاجیوں سے یکمشت 15 ارب روپے وصول کر لیتے ہیں ایک ارب روپے اس کا منافع آج تک خاموشی سے حکومت بغیر ہلدی پھٹکری لگے خود کھا رہی ہے۔ ملک بھارت جو غیر اسلامی ملک ہے حج سے چند دن پہلے تک قسطوں میں حج کی رقمیں جمع کرتا ہے پورے بھارت سے جو رقبہ میں ہم سے بہت بڑا ہے حج کی رقم ہر جگہ سے ایک ہی وصول کی جاتی ہے۔ حکومت اس میں معاونت کرتی ہے پچھلے سال حاجیوں سے 65,000 روپے لیے گئے تھے وہ بھی آسان اقساط میں۔ ان کی رہائش کا معیار ہم سے بدرجہا بہتر ہوتا ہے۔ اس کے شفاخانے ہم سے بہتر اور ان کے پاس قیمتی ادویات ہوتی ہیں، ہمارے بیشتر حاجی انہی کے اسپتال جا کر فیض یاب ہوتے ہیں۔ اول تو ہمارے شفاخانے نظر ہی نہیں آتے علاوہ پاکستان ہاؤس کا اگر کہیں کوئی گشتی شفاخانہ نظر آ بھی گیا تو چند گولیاں معمولی شربت اور کیپسول کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ منٰی اور عرفات میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مدینہ کا 300 ریال وصول کیا جائے گا جبکہ 300 ریال میں مدینہ میں ہوٹل کا کمرہ مل جاتا ہے۔ بھارت والے مدینہ کا کمرہ 100 ریال اور مکہ کا کمرہ

750 ریال وصول کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ انہیں مذہبی فریضوں کا ادراک ہے اور ان کے معلم بھی اُن کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔

پہلے بھی میں نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا تھا کہ حج میں چالیس روز بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ویسے بھی چالیس نمازیں مدینہ کے لیے فرض نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ تو حج کے تیسرے دن مکہ کے بازار میں نکل جاتے تھے اور حاجیوں کو واپسی کے لیے جلدی بھی کرتے تھے تاکہ خانہ کعبہ کی حرمت اور حج کا ثواب برقرار رہے۔ ویسے بھی ہمارے حکمراں اور وزراء جو حج پر جاتے ہیں وہ تو پانچ دن میں ہی واپس آجاتے ہیں۔ میں نے اکثر حاجیوں کو حج کے بعد جن کو دس پندرہ دن رُکنا پڑتا تھا روتے دیکھا ہے وہ حج کے بعد اپنے گھر جانے کے لیے بے تاب رہتا ہے مگر اس کے ساتھ اس کی مجبوری کہ جبری رُکنا پڑتا ہے۔

ملائشیا اور سنگاپور کے حاجیوں کے ساتھ جو ہمارے ہی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا، اُن کے حاجیوں سے ٹور آپریٹر نے صرف 3000 سنگاپور ڈالر لیے تھے جس میں فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے اور تین وقت کا کھانا اور چائے سب شامل تھا۔ سنگاپور ڈالر کے مطابق یہ 1,00,000 روپے بنتے ہیں جس میں سب شامل ہے جبکہ سنگاپور کا کراچی کا فاصلہ ۵ گھنٹے زیادہ ہے۔

خود عمرہ ویزہ پرائیویٹ کمپنیاں 35,000 روپے میں 15 دن ٹھہرا رہی ہیں اس میں ستر ڈالر معلم کی فیس بھی شامل ہے۔ اگر ہم بھی پورے طریقے سے منظم طور پر آزادانہ روٹس یعنی نجی فضائی کمپنیوں کو موقع دیں تو بھارت کی طرح ہم بھی 65,000 روپے میں بآسانی حج کرا سکیں گے اور پی آئی اے کے کم جہازوں کی وجہ سے چالیس دن کا حج سمٹ کر 20 سے 25 دن ہو جائیگا جو حجاج کرام کے لیے بھی بہتر ہے۔ کاش ہماری وزارت مذہبی امور اس طرف خلوص دل سے توجہ دے تو یہ حج آسان اور سستا ہو سکتا ہے۔ جو غلطیاں ہم ماضی میں کرتے آرہے ہیں وہ آج پھر دہرا رہے ہیں اب تو 20 فیصد زیادہ ہوگئی ہیں۔ (روزنامہ آواز 16 جون 2004ء)

❁❁❁

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ جدید ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ کو عصر کی نماز کے بعد بمقام A-537 فیصل ٹاؤن نزد جناح ہسپتال مستورات کو حدیث شریف کا درس دیتے ہیں۔ خواتین کو شرکت کی عام دعوت ہے۔ (ادارہ)

❁❁❁

دینی مسائل

﴿نماز کو توڑنے والی چیزوں کا بیان﴾

(۵) صحتِ نماز کی شرطوں میں سے کسی شرط کا مفقود ہونا :

(1) ہر حدث جو عمداً کیا جائے اُس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مثلاً کسی شخص نے عمداً قے کی اور قے منہ بھر کر ہو تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر حدث عمداً نہ ہو مثلاً منہ بھر کر قے بلا اختیار ہو تو اِس سے نماز نہیں ٹوٹتی صرف وضو ٹوٹتا ہے اور وہ شخص یہ کر سکتا ہے کہ وضو کر کے آئے اور بقیہ نماز پوری کرے۔

(2) اگر نمازی کا سترِ عورت بقدر چوتھائی عضو کے کھل گیا تو ایک رکن یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر کھلا رہنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اگر نمازی نے خود عمداً اِتنا کھولا ہو تو نماز فوراً ٹوٹ جاتی ہے۔

(3) قبلہ کی طرف سے سینہ کا پھرنا بھی نماز کو توڑ دیتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے :

(i) اگر کسی شخص نے بلا عذر اپنا سینہ قبلہ کی طرف سے پھیر دیا تو اگر اپنے اختیار سے ایسا کیا تو خواہ تھوڑی دیر تک پھرا ہو یا زیادہ دیر تک ہر حال میں نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر اپنے اختیار سے نہیں پھیرا تو اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار پھیرے رہا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر اِس سے کم مقدار پھیرے رہا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

(ii) اور اگر عذر کے ساتھ سینہ قبلہ سے پھیرا تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور وہ عذر دو ہیں :

اول : نماز میں بلا عمد حدث ہونے کے بعد وضو کے لیے جانا۔

دوم : نمازِ خوف میں دشمن کے مقابل جاتے آتے ہوئے قبلہ کی طرف سے پھرنا۔

(4) نماز پڑھنے میں الفاظ کی کوئی ایسی غلطی خواہ قرآن پڑھنے میں ہو یا اور کچھ پڑھنے میں ہو جس سے معنی بگڑ جاتے ہوں تو اگر اُسی وقت اُس کو درست نہیں کیا تو نماز فاسد یعنی ٹوٹ جاتی ہے۔ معنی بگڑنے کا مطلب ہے کہ یا تو کفر کا معنی بن جائے یا کفر تو نہ بنے لیکن معنی دین کے خلاف ہو جائے یا اس کا سرے سے کچھ معنی ہی نہ بنتا ہو۔

مسئلہ : اللہ اکبر کہتے وقت اللہ کے الف کو بڑھا دیا اور آللہ اکبر کہا یا اللہ آکبر کہا تو نماز جاتی رہی۔ اسی طرح اکبر کی بے کو بڑھا کر اور اللہ اکبار کہا تو بھی نماز جاتی رہی۔

۶۔ لقمہ دینے کی بعض صورتیں :

حالتِ نماز میں اپنے امام کے سوا کسی کو لقمہ دینا یعنی قرآن مجید کے غلط پڑھنے پر آگاہ کرنا مفسدِ نماز ہے خواہ غلط

پڑھنے والا نماز میں ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ : صحیح یہ ہے کہ مقتدی اگر اپنے امام کو لقمہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی، خواہ امام بقدرِ ضرورت قرأت کر چکا ہو یا نہیں۔ بقدرِ ضرورت سے قرأت کی وہ مقدار مراد ہے جو مسنون ہے۔

مسئلہ : امام اگر بقدرِ ضرورت قرأت کر چکا ہو تو اُس کو چاہیے کہ رکوع کر دے مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے (ایسا کرنا مکروہ ہے) اور مقتدیوں کو چاہیے کہ جب تک شدید ضرورت پیش نہ آئے امام کو لقمہ نہ دیں (یہ بھی مکروہ ہے)۔ ضرورتِ شدیدہ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً امام غلط پڑھ کر آگے پڑھنا چاہتا ہو یا رکوع نہ کرتا ہو یا سکوت کر کے کھڑا ہو جائے اور اگر بلا ضرورتِ شدیدہ بھی بتلا دیا تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص کسی نماز پڑھنے والے کو لقمہ دے اور وہ لقمہ دینے والا اس کا مقتدی نہ ہو خواہ وہ بھی نماز میں ہو یا نہیں تو نماز پڑھنے والا اگر لقمہ لے گا تو اُس لقمہ لینے والے کی نماز فاسد ہو جائیگی یعنی ٹوٹ جائے گی۔ ہاں اگر اُس کو خود بخود یاد آ جائے خواہ لقمہ دینے والے کے لقمہ دینے کے ساتھ ہی یا پہلے یا بعد میں لیکن لقمہ دینے کا اِس یاد آنے میں کچھ دخل نہ ہو اور اپنی یاد پر اعتماد کر کے پڑھے تو اُس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

مسئلہ : امام قرأت میں اٹک جائے یا غلط پڑھ جائے تو اُس کا مقتدی اگر کسی دوسرے شخص کا پڑھنا سن کر یا قرآن مجید میں دیکھ کر امام کو لقمہ دے تو اِس (مقتدی) کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام اگر لے لے گا تو اُس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور اگر مقتدی کو قرآن میں دیکھ کر یا دوسرے سے سن کر خود بھی یاد آ گیا اور پھر اپنی یاد پر لقمہ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۷۔ اپنی نماز میں شریک عورت کا محاذی ہونا :

عورت کا مرد کے ساتھ اس طرح کھڑا ہو جانا کہ ایک کا کوئی عضو دوسرے کے کسی عضو کے مقابل ہو جائے یہاں تک کہ اگر سجدے میں جانے کا وقت عورت کا سر مرد کے پاؤں کے محاذی ہو جائے تب بھی مرد کی نماز جاتی رہے گی بشرطیکہ

(۱) عورت بالغ ہو چکی ہو (خواہ جوان ہو یا بوڑھی) یا نابالغ ہو مگر قابلِ جماع ہو۔ تو اگر کوئی کم سن نابالغ لڑکی نماز میں محاذی ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۲) دونوں نماز میں ہوں۔ پس اگر ایک نماز میں ہو دوسرا نہ ہو تو اس محاذات سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۳) درمیان میں کچھ حائل نہ ہو۔ پس اگر کوئی پردہ درمیان میں حائل ہو یا بیچ میں اتنی جگہ چھوٹی ہو جس میں ایک آدمی بے تکلف کھڑا ہو سکے تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۴) عورت میں نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں پائی جاتی ہوں۔ پس اگر عورت مجنون ہو یا حالتِ حیض و نفاس

میں ہو تو اُس کی محاذات سے نماز فاسد نہ ہوگی۔اس لیے کہ اِن صورتوں میں وہ خود نماز میں نہ سمجھی جائے گی۔

(۵) نماز جنازے کی نہ ہو۔پس جنازے کی نماز میں محاذات مفسد نہیں۔

(۶) محاذات ایک رکن کے بقدر باقی رہے اگر اِس سے کم ہو تو مفسد نہیں مثلاً اتنی دیر تک محاذات رہے کہ جس میں رکوع وغیرہ نہیں ہوسکتا۔اس کے بعد جاتی رہے تو اس قلیل محاذات سے نماز میں فساد نہ آئے گا۔

(۷) تحریمہ دونوں کی ایک ہو یعنی یہ عورت اس مرد کی مقتدی ہو یا دونوں کسی تیسرے کے مقتدی ہوں۔

(۸) امام نے اس عورت کی امامت کی نیت نماز شروع کرتے وقت کی ہو۔اگر امام نے اِس کی امامت کی نیت نہ کی ہو تو پھر اس محاذات سے نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ اُس عورت کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

(۹) نماز شروع کرنے کے بعد شامل ہونے والی عورت کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کرنا مرد کی نماز کو توڑ دیتا ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی عورت یا مطلق عورتوں کی امامت کی نیت کی اور اُس کی نماز شروع کرنے کے بعد عورت اُس کے محاذی ہو کر اُس کی نماز میں شامل ہوگئی۔اگر اُس شخص نے عورت کے شامل ہوتے ہی اُس کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا اور عورت نہ ہٹی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ عورت کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ مرد نے اپنا فرض ادا کردیا۔اسی طرح اگر کوئی عورت کسی مقتدی کے ساتھ آکر کھڑی ہوگئی جبکہ نماز شروع ہو چکی تھی اور امام عورتوں کی امامت کی نیت کر چکا تھا تو اگر مقتدی نے فوراً ہی عورت کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا لیکن عورت نہیں ہٹی تو عورت کی نماز فاسد ہوگی مرد مقتدی کی نہیں۔

۸۔ متفرقات :

مسئلہ : اگر امام حدث کے بعد کسی کو اپنا نائب بنائے بغیر مسجد سے باہر نکل گیا تو مقتدیوں کی نماز ٹوٹ جائیگی۔

مسئلہ : اگر مرد نماز میں ہو اور عورت اُس مرد کا اِسی حالت میں بوسہ لے تو اُس مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ہاں اگر اُس کے بوسہ لیتے وقت شہوت ہوگئی تو البتہ نماز فاسد ہوجائیگی اور اگر عورت نماز میں ہو اور کوئی مرد اُس کا بوسہ لے لے تو عورت کی نماز جاتی رہے گی خواہ مرد نے شہوت سے بوسہ لیا ہو یا بلا شہوت اور خواہ عورت کو شہوت ہوئی ہو یا نہیں۔اسی طرح اگر مرد اُس کو شہوت سے چھولے تب بھی عورت کی نماز جاتی رہتی ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے سے نکلنا چاہے تو حالتِ نماز میں اُس سے مزاحمت کرنا اور اُس کو اِس فعل سے باز رکھنا جائز ہے بشرطیکہ اِس روکنے میں عمل کثیر نہ ہو، اگر عمل کثیر ہوگیا تو نماز فاسد ہوگئی۔

مسئلہ : اگر نمازی نے کسی دوسرے شخص کو تھپڑ مارا یا سوٹی یا کوئی اور چیز ماری تو مارنے والے کی نماز ٹوٹ گئی۔

☆☆☆

مسجد حامد کے لیے خصوصی اپیل

رائیونڈ روڈ پر زیرِ تعمیر مسجد کی چھت ڈالنے کا مرحلہ آگیا ہے لینٹر کے لیے درکار میٹریل کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔ اہلِ خیر حضرات سے اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی گزارش ہے

لینٹر کا رقبہ =9050 فٹ

سریا (18ٹن)		* 3,60,000.00
بجری (4800CFT)		85,000.00
ریت (2400CFT)		15,000.00
سیمنٹ(700Bags)		1,75,000.00
الیکٹرک پائپ		25,000.00
دیواریں اور بیم		2,50,000.00
مزدوری		1,30,000.00
		10,40,000.00

* نوٹ : سریا مہنگا ہونے کی وجہ سے اب یہ قیمت دوگنا ہوگئی ہے